سراج الدین

عیسائی

کے چار سوالوں کا

جواب

مطبع ضیاء الاسلام قادیان دارالامان میں باہتمام حاجی

حافظ حکیم فضل دین طبع

ہوا۔

ماہ جولائی سنہ ۱۹۰۲ء

بار سوم — تعداد اشاعت ۴۰۰ — قیمت ۴/

فہرست کتب موجودہ و زیر طبع

یہ کتابیں بذریعہ وی پی حاجی حکیم فضل الدین صاحب مالک مطبع ضیاء الاسلام قادیان سے مل سکتی ہیں

مصنفہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

نام کتاب	زبان	قیمت
براہین احمدیہ حصہ اول اشتہار انعامی دس ہزار	اردو	۵ر
" " چہارم تفسیر چند آیات و رد آریہ و عیسائی	"	ـه
سرمہ چشم آریہ - آریوں کے رد میں	"	۱۲ر
برکات الدعا	"	۲ر
آئینہ کمالات اسلام مع تبلیغ و حقیقت اسلام و تبلیغ رسالت حقہ -	عربی اردو مترجم	عه
انوار الاسلام عبداللہ آتھم کی پیشگوئی پوری ہونے کی تفصیل و رد عیسائی -	اردو	۴ر
نسیم دعوت - رد آریہ	"	۳ر
سناتن دھرم - رد آریہ	"	۰ر
کتاب البریۃ - سوانح حضرت اقدس و چند پیشگوئیوں کا پورا ہونا -	"	عه
ایام الصلح } دعویٰ مع دلائل و پیشگوئی طاعون	"	۸ر
ایام الصلح	فارسی	۸ر
اربعین نمبر ۱ و ۲ } نشان صداقت مرسلین اور	اردو	۱۰ر
" نمبر ۳ و ۴ } لوگوں کو ایک نعمت کیطرف دعوۃ	"	۳ر
حضرت اقدس کا ریویو - عبداللہ چکڑالوی و محمد حسین بٹالوی کے مباحثہ پر -	"	ـر
روئداد جلسہ دعا - ٹرنسوال کی فتح کے لئے دعا اور حضرت اقدس علیہ السلام کا لیکچر	"	۲ر
استفتاء - لیکھرام کا قتل پیشگوئی سے ہوا -	"	۲ر

نور القرآن حصہ اول و دوم - رد عیسائی -	اردو	۶ر
ستارہ قیصرہ } شکریہ سلطنت ملکہ معظمہ قیصرہ	"	۰ر
تحفہ قیصرہ } ہند اور اسکو دعوۃ		۲ر
مجموعہ آمین حضرت اقدس کی تینوں صاحبزادگان کی آمین	"	ـر
کرامات الصادقین تفسیر سورہ فاتحہ -	عربی	۸ر
حمامۃ البشریٰ - ثبوت وفات مسیح و رسالت مجدد	"	۸ر
حمامۃ البشریٰ	مترجم اردو	۸ر
سیرۃ الابدال مقربین کے علامات	عربی	۱ر
سچائی کا اظہار - رد عیسائی	اردو	۰ر
نور الحق حصہ اول و دوم - رد عیسائی و پیشگوئی خسوف کسوف رمضان کا ثبوت و تفصیل	عربی مترجم اردو	۱۴ر
تحفہ بغداد - ایک بغدادی مولوی کے عریضہ کا جواب	عربی	۲ر
سراج منیر - چند پیشگوئیوں کے پورا ہونیکی تفصیل	اردو	۳ر
درثمین اشعار تصانیف حضرت اقدس سے انتخاب -	اردو فارسی	۵ر
درثمین مجلد	"	۸ر
" صرف اشعار اردو	اردو	۱ر
حقیقۃ المہدی - آنیوالا مہدی مصلحکار ہو یا خونی	"	۲ر
شرائط بیعت عشرہ مع تکمیل تبلیغ و عبارت جو بیعت کے وقت پڑھائی جاتی ہے -	"	ـر
اعجاز المسیح - تفسیر سورہ فاتحہ اور پیر گولڑوی کو اس کی نظیر بنانے کی تحدی -	عربی مترجم فارسی	۱۲ر
شحنہ حق - رد آریہ	اردو	۶ر

ازالہ اوہام - حصہ اول و دوم جواب معترضین وفات مسیح و حقیقت دجّال و یاجوج ماجوج و تفسیر چند آیات -	اردو	عہر۴
فتح اسلام - دعویٰ خود و ذکر پنج شاخ -	״	۰۲ر
توضیح مرام - حقیقت نزول ملائک و تفسیر چند آیات	״	۰۲ر
اتمام الحجۃ - مولوی رسل بابا امرتسری کو تحدی -	عربی اردو	۲ر
حجۃ الاسلام - رد عیسائی -	اردو	ار
انجام آتھم - رد نصرانیت و علماء کو دعوۃ -	عربی اردو	عہ
حجۃ اللہ - رد شیعہ وغیرہ -	عربی مترجم	۶ر
تقریر جلسہ اعظم مذاہب لاہور مقصد حیات انسان و حقیقت اسلام و حیوان سے انسان بننے و انسان سے با اخلاق انسان بننے و با اخلاق انسان سے با خدا انسان بننے کی تفصیل و تفسیر چند آیات -	اردو	۴ر
فیصلہ آسمانی - دعا کے ذریعہ مخالفین سے فیصلہ کرنے کی تفصیل -	״	۰۲ر
دافع البلاء - طاعون سے بچنے کا طریق -	״	ار
ضیاء الحق - رد عیسائی -	״	۲ر
نشان آسمانی - گذشتہ اولیاء کی پیشگوئیاں مسیح موعود علیہ السلام کے لئے -	״	۳ر
سر الخلافہ - رد شیعہ -	عربی	۸ر
شہادۃ القرآن - حضرت اقدسؑ کے مسیح موعودؑ ہونے کا ثبوت قرآن مجید سے	اردو	۴ر
سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب	״	۲ر
ضرورۃ الامام - امام کی ضرورۃ - اپنا ثبوت مقدمہ گر	״	۲ر
رسالہ جہاد مع ضمیمہ ممانعت جہاد پر -	״	ار
راز حقیقت - ثبوت قبر حضرت عیسیٰ سری نگر کشمیر	״	ار

ست بچن - رد آریہ و سکھ	اردو	۱۰ر
آریہ دھرم - رد آریہ	״	۴ر
مواہب الرحمٰن - نشانات صداقت حضرت اقدسؑ و پیشگوئیوں کا پورا ہونا -	عربی مترجم	۶ر
اعجاز احمدی - مباحثہ موضع مُد کا ذکر اور مولوی ثناء اللہ کو تحدی -	عربی اردو	۳ر
کشتی نوح - طاعون سے بچنے کا طریق -	اردو	۳ر
خطبہ الہامیہ - قربانی کی اصل حقیقت و ثبوت خود و تفسیر چند آیات -	عربی مترجم فارسی و اردو	عہ
تحفہ گولڑویہ - مفتری و صادق میں مابہ الامتیاز -	اردو	۱۰ر
تحفہ غزنویہ - جواب اشتہار مولوی عبد الحق غزنوی	״	۴ر
تحفہ ندوہ - ندوۃ العلماء کو تبلیغ -	״	۰ر
الہدیٰ - اخبار المنار کا جواب اور اسکو تحدی	عربی مترجم	۱۲ر
تریاق القلوب چند پیشگوئیوں کے پورا ہونے کی تفصیل	اردو	۱۲ر
جنگ مقدس - مباحثہ حضرتؑ ہمراہ عبد اللہ آتھم عیسائی -	״	۷ر
الحق بحث لودھیانہ مابین حضرت اقدسؑ و مولوی محمد حسین بٹالوی لودھیانہ میں -	״	۸ر
تذکرۃ الشہادتین مع رسالہ عربی علامات المقربین اپنی جماعت کو دونوں شہیدوں کے ایمان کے نمونہ کی طرف تحریص و ترغیب -	״	۵ر
کشف الغطاء -	״	۲ر

براہین احمدیہ حصہ دوم و سوم	اردو
خلافت راشدہ رد شیعہ	״
مسیح ہندوستان میں - الحق مباحثہ دہلی	״
منن الرحمٰن - عربی اردو البلاغ - فریاد درد	״
ترغیب المؤمنین - عربی مترجم اردو نزول المسیح	״
نجم الہدیٰ - چار زبان عربی فارسی انگریزی	״
لجۃ النور - عربی اردو سال الفرقان - رد شیعہ - اردو	

درثمین عربی مترجم

الفضل الوصیت ... اردو ۱/

[illegible]

کتاب	زبان	قیمت
تصدیق براہین احمدیہ - رد آریہ -	اردو	۱۲؍
رد تناسخ - رد آریہ	"	۲؍
نور الدین - جواب ترک اسلام - رد آریہ	"	۸؍
رد نسخ و شیعہ - ...	"	۲؍
فصل الخطاب - رد عیسائی	"	۱۲؍

مصنفہ حضرت مولانا مولوی عبدالکریم صاحب

کتاب	زبان	قیمت
لیکچر بر گناہ -	اردو	۰؍
سیرۃ مسیح -	"	۸؍
دعوۃ الندوہ -	"	۱۰؍

[illegible]

کتاب	زبان	قیمت
اعلام الناس حصہ دوم -	"	۶؍
شمس بازغہ - رد کتاب گولڑوی -	"	عہ
فک الشک - چند اعتراضوں کا جواب	"	۱؍
تحذیر المومنین -	"	۸؍
احسن الکلام -	"	۰؍
سواء السبیل نمبر ۲	"	۱۰؍
مسک العارف - چہل حدیث بتصدیق حضرت	"	۱۰؍
ایقاظ النائمین	"	۱؍
آیات الرحمن - رد عصائے موسیٰ	"	۸؍
صیانۃ الناس -	"	۱۰؍
صیانۃ القرآن - رد چکڑالوی	"	۳؍

[illegible]

کتاب	زبان	قیمت
الانذار - اردو - ۲؍ - لیکچر اسلام	اردو	۰؍
مسلمانوں کا خدا اور اسکے حضور دعا -	"	۱؍
پنج ارکان اسلام منظوم	"	۱؍
سخن معقول منظوم - اردو ۰؍ - دعوت حق	"	۱؍

کتاب	زبان	قیمت
غسل مصفے - مصنفہ مرزا خدا بخش صاحب	اردو	۱۲؍

[illegible]

کتاب	زبان	قیمت
وفات نامہ مسیح مع پیشگوئی لیکھرام و آتھم	نظم پنجابی	۲؍
وفات مسیح - پسندیدہ حضرت اقدس -	"	۲؍
کاسن احمدی - عورتوں کیلئے مفید -	"	۱؍
عاقبۃ المکذبین - چمکار حق - کا رکج لی لی	"	۱۰؍
		۳؍
دعوۃ الحق نمبر ا - رد عیسائی -	"	۲؍
قاعدہ یسرنا القرآن -	"	۴؍
واقعات صحیحہ مع ضمیمہ متعلق فرار پیر گولڑوی -	"	۲؍
رپورٹ جلسہ اعظم مذاہب ہو لسو لاہور -	"	۸؍
حمائل و قرآن مجید مترجم وغیرہ مترجم -	از ۱۲؍	تا عہ
رسالہ فضل حق - اردو ۱؍ - دعوۃ الحق مع ضمیمہ	اردو نظم	۱؍
تائید حق - اردو ۲؍ - سلاسل التعلیم -	عربی	۲؍
سیرۃ النبی عربی مترجم اردو ۰؍ - سلاسل الفضائل	مترجم اردو	۶؍
قرآن مجید مطبوعہ رزاقی ۱۱ مہری نقل نظامی ۲ مہری	قیمت	تہر

[illegible]

کتاب	زبان	قیمت
تفسیر القرآن بالقرآن پارہ اول -	اردو	۶؍
تفسیر سورہ فاتحہ یعنی ذکر الحکیم نمبر ۲ -	"	۲؍
تفسیر القرآن بالقرآن پارہ عم -	"	۲؍
ذکر الحکیم نمبر ۳ - ۲؍ - مفتاح القرآن -	"	۲؍
مفید عام - ڈاکٹری بے نظیر کتاب ۳ جلد	"	صہ
مفید النساء و الصبیان - ڈاکٹری کی کتاب	"	۲؍
تشخیص الامراض	"	۸؍

... فضل الدین ... ضیاء الاسلام قادیان

+ اسکو اچھی طرح پڑھنے سے آدمی چند ماہ میں قرآن مجید کے ترجمہ پڑھنے پر قادر ہو سکتا ہے ۵؍ + اسکی تعریف کی حاجت نہیں کہ اسکا نام

سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی

ایک صاحب سراج الدین نام عیسائی نے لاہور سے چار سوال بغرض طلب جواب میری طرف بھیجے ہیں میں مناسب سمجھتا ہوں کہ فائدہ عام کے لیے اُن کا جواب لکھکر شائع کردوں۔ لہذا ہر چہار سوال مع جواب ذیل میں لکھے جاتے ہیں۔

سوال۔ ۱۔ "عیسائی عقائد کے مطابق مسیح کا مشن اس دنیا میں بنی نوع انسان کی محبت کے لیے آنا اور نوع انسان کی خاطر اپنے تئیں قربان کر دینا تھا۔ کیا بانیٔ اسلام کا مشن ان دونوں معنوں میں ظاہر ہو سکتا ہے یا نہیں۔ یا محبت اور قربانی کے علاوہ کسی اور بہتر الفاظ میں اس مشن کو ظاہر کر سکتے ہیں۔"

الجواب واضح ہو کہ اس سوال سے اصل مطلب سائل کا یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح عیسائیوں کے خیال کے موافق دنیا میں یسوع مسیح اسلیے آیا تھا کہ گنہگاروں سے محبت کرکے اُنکے گناہوں کی لعنت اپنے سر پر لیوے اور پھر اُن ہی گناہوں کی وجہ سے مارا جاوے کیا اس لعنتی قربانی کا کوئی نمونہ گنہگاروں کی نجات کے لیے قرآن بھی پیش کرتا ہے یا نہیں۔ اور اگر نہیں پیش کرتا تو کیا اس سے کوئی اس سے بہتر طریق انسانوں کی نجات کے لیے قرآن نے پیش کیا ہے۔ سو اسکے جواب میں میاں سراج الدین صاحب کو معلوم ہو کہ قرآن کوئی لعنتی قربانی پیش نہیں کرتا۔ بلکہ ہرگز جائز نہیں رکھتا کہ ایک کا گناہ یا ایک کی لعنت کسی دوسرے پر ڈالی جاوے چہ جائیکہ کروڑہا لوگوں کی لعنتیں اکٹھی کرکے ایک کے گلے میں ڈالدیجائیں۔ قرآن شریف فرماتا ہے کہ لَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی یعنی ایک کا بوجھ دوسرا نہیں اُٹھاوے گا۔ لیکن قبل اسکے کہ میں مسئلہ نجات کے متعلق قرآنی ہدایت بیان کروں مناسب دیکھتا ہوں کہ عیسائیوں کے اس اصول کی غلطی لوگوں پر ظاہر کروں تا وہ شخص جو اس مسئلہ میں قرآن اور انجیل کی تعلیم کا مقابلہ کرنا چاہتا ہے وہ آسانی سے مقابلہ کر سکے۔ پس واضح ہو کہ عیسائیوں کا یہ اصول کہ خدا نے دنیا سے پیار کرکے دنیا کو نجات دینے کے لیے یہ انتظام کیا کہ نافرمانوں اور کافروں اور بدکاروں کا گناہ اپنے پیارے بیٹے یسوع پر ڈالدیا اور دنیا کو گناہ سے چھڑانے کے لیے اسکو لعنتی بنایا اور لعنت کی لکڑی سے لٹکایا۔ یہ اصول ہر ایک پہلو سے فاسد اور قابل شرم ہے۔ اگر میزان عدل کے لحاظ سے اسکو جانچا جاوے تو صریح

یہ بات ظلم کی صورت میں ہے کہ زید کا گناہ بکر پر ڈالدیا جاوے۔ انسانی کانشنس اسبات کو ہرگز پسند نہیں کرتا کہ ایک مجرم کو چھوڑ کر اس مجرم کی سزا غیر مجرم کو دیجاوے۔ اور اگر روحانی فلاسفی کے رو سے گنہ کی حقیقت پر غور کی جائے تو اس تحقیق کے رو سے بھی یہ عقیدہ فاسد ٹھہرتا ہے کیونکہ گناہ درحقیقت ایک ایسا زہر ہے جو اُسوقت پیدا ہوتا ہے کہ جب انسان خدا کی اطاعت اور خدا کی پرجوش محبت اور محبانہ یاد الٰہی سے محروم اور بے نصیب ہو اور جیسا کہ ایک درخت جب زمین سے اکھڑ جائے اور پانی چوسنے کے قابل نہ رہے تو وہ دن بدن خشک ہونے لگتا ہے اور اُس کی تمام سرسبزی برباد ہو جاتی ہے۔ یہی حال اُس انسان کا ہوتا ہے جس کا دل خدا کی محبت سے اکھڑا ہوا ہوتا ہے پس خشکی کی طرح گناہ اُسپر غلبہ کرتا ہے۔ سو اس خشکی کا علاج خدا کے قانون قدرت میں تین طور سے ہے (۱) ایک محبت (۲) استغفار جسکے معنی ہیں دبانے اور ڈھانکنے کی خواہش۔ کیونکہ جب تک مٹی میں درخت کی جڑ جمی رہے تب تک وہ سرسبزی کا اُمیدوار ہوتا ہے (۳) تیسرا علاج توبہ ہے۔ یعنی زندگی کا پانی کھینچنے کے لیے تذلل کے ساتھ خدا کی طرف پھرنا اور اُس سے اپنے تئیں نزدیک کرنا اور معصیت کے حجاب سے اعمال صالحہ کے ساتھ اپنے تئیں باہر نکالنا۔ اور توبہ صرف زبان سے نہیں ہے بلکہ توبہ کا کمال اعمال صالحہ کے ساتھ ہے۔ تمام نیکیاں توبہ کی تکمیل کے لیے ہیں۔ کیونکہ سب سے مطلب یہ ہے کہ ہم خدا سے نزدیک ہو جائیں۔ دعا بھی توبہ ہے کیونکہ اس سے بھی ہم خدا کا قرب ڈھونڈتے ہیں اسلیے خدا نے انسان کی جان کو پیدا کر کے اس کا نام روح رکھا کیونکہ اسکی حقیقی راحت اور آرام خدا کے اقرار اور اُسکی محبت اور اُسکی اطاعت میں ہے اور اس کا نام نفس رکھا اور نفس لغت میں عین شئ کے معنے رکھتا ہے کیونکہ وہ خدا سے اتحاد پیدا کرنے والا ہے۔ خدا سے دل لگانا ایسا ہوتا ہے جیسا کہ باغ میں وہ درخت ہوتا ہے جو باغ کی زمین سے خوب پیوستہ ہوتا ہے۔ یہی انسان کا جنت ہے اور جسطرح درخت زمین کے پانی کو چوستا اور اپنے اندر کھینچتا اور اس سے اپنے زہریلے بخارات باہر نکالتا ہے اسیطرح انسان کے دل کی حالت ہوتی ہے کہ وہ خدا کی محبت کا پانی چوسکر زہریلے مواد کے نکالنے پر قوت پاتا ہے اور بڑی آسانی سے ان مواد کو دفع کرتا ہے اور خدا میں ہوکر پاک نشو ونما پاتا جاتا ہے اور بہت پھیلتا اور خوشنما سرسبزی دکھلاتا اور اچھے پھل لاتا ہے۔ مگر جو خدا میں پیوستہ نہیں وہ نشو ونما دینے والے پانی کو چوس نہیں سکتا اس لیے دمبدم خشک ہوتا چلا جاتا ہے آخر پتے بھی گر جاتے ہیں اور خشک اور بدشکل ٹہنیاں رہجاتی ہیں۔ پس چونکہ گناہ کی خشکی بے تعلقی سے پیدا ہوتی ہے اس لیے اس خشکی کے دور کرنے کے لیے سیدھا علاج مستحکم تعلق ہے۔ جسپر قانون قدرت گواہی دیتا ہے۔ اسکی طرف اللہ جل شانہ

اشارہ کرکے فرماتا ہے یَا اَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي - یعنی اے وہ نفس جو خدا سے آرام یافتہ ہے اپنے رب کی طرف واپس چلا آ وہ تجھسے راضی اور تو اس سے راضی - پس میرے بندوں میں داخل ہو جا اور میری بہشت کے اندر آ +

غرض گناہ کے دور کرنے کا علاج صرف خدا کی محبت اور عشق ہے لہذا وہ تمام اعمال صالحہ جو محبت اور عشق کے سرچشمہ سے نکلتے ہیں گناہ کی آگ پر پانی چھڑکتے ہیں۔ کیونکہ انسان خدا کے لیے نیک کام کرکے اپنی محبت پر مہر لگاتا ہے - خدا کو اسطرح پر مان لیا کہ اسکو ہر ایک چیز پر مقدم رکھنا یہانتک کہ اپنی جان پر بھی یہ وہ پہلا مرتبہ محبت ہے جو درخت کی اسحالت سے مشابہ ہے جبکہ وہ زمین میں لگایا جاتا ہے اور پھر دوسرا مرتبہ استغفار جس سے یہ مطلب ہے کہ خدا سے الگ ہو کر انسانی وجود کا پردہ نہ کھلجائے اور یہ مرتبہ درخت کی اس حالت سے مشابہ ہے جبکہ وہ زور کرکے پورے طور پر اپنی جڑ زمین میں قائم کرلیتا ہے - اور پھر تیسرا مرتبہ توبہ جو اسحالت کے مشابہ ہے کہ جب درخت اپنی جڑیں پانی سے قریب کرکے بچہ کیطرح اسکو چوستا ہے - غرض گناہ کی فلاسفی یہی ہے کہ وہ خدا سے جدا ہو کر پیدا ہوتا ہے - لہذا اس کا دور کرنا خدا کے تعلق سے وابستہ ہے - پس وہ کیسے نادان لوگ ہیں جو کسیکی خودکشی کو گناہ کا علاج کہتے ہیں +

یہ ہنسی کی بات ہے کہ کوئی شخص دوسرے کے درد سر پر رحم کرکے اپنے سر پر پتھر مارے یا دوسرے کے بچانے کے خیال سے خودکشی کرے - میرے خیال میں ہے کہ دنیا میں کوئی ایسا دانا نہیں ہوگا کہ ایسی خودکشی کو انسانی ہمدردی کی عمدہ چیز ہے اور دوسروں کے بچانے کے لیے تکلیف اُٹھانا پڑے بہادروں کا کام ہے - مگر کیا ان تکلیفوں کے اُٹھانیکی یہی راہ ہے جو یسوع کی نسبت بیان کیا جاتا ہے - کاش اگر یسوع خودکشی سے اپنے تئیں بچاتا اور دوسروں کے آرام کے لیے معقول طور پر عقلمندوں کی طرح تکلیفیں اُٹھاتا تو اس کی ذات سے دنیا کو فائدہ پہونچ سکتا تھا - مثلاً اگر ایک غریب آدمی گھر کا محتاج ہے اور معمار لگانے کی طاقت نہیں رکھتا تو اس صورت میں اگر ایک معمار اسپر رحم کرکے اس کا گھر بنانے میں مشغول ہو جاوے اور بغیر لینے اُجرت کے چند روز محنت مشقت اُٹھا کر اس کا گھر بنا دیوے تو بیشک یہ معمار تعریف کے قابل ہوگا کیونکہ بیشک اس نے ایک مسکین پر احسان بھی کیا ہے جس کا گھر بنا دیا - لیکن اگر وہ اس شخص پر رحم کرکے اپنے سر پر پتھر مارے تو اس غریب کو اس سے کیا فائدہ پہونچے گا +

افسوس دنیا میں بہت تھوڑے لوگ ہیں جو نیکی اور رحم کرنے کے معقول طریقوں پر چلتے ہیں - اگر یہ سچ ہے کہ یسوع نے اس خیال سے کہ میرے مرنے سے لوگ نجات پا جائیں گے درحقیقت

خودکشی کی ہے تو یسوع کی حالت نہایت ہی لائق رحم ہے - اور یہ واقعہ پیش کرنیکے لائق نہیں بلکہ چھپانے کے لائق ہے -

اور اگر ہم عیسائیوں کے اس اصول کو لغت کے مفہوم کے رو سے جانچیں جو مسیح کی نسبت تجویز کی گئی ہے تو نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس اصول کو قائم کرکے عیسائیوں نے یسوع مسیح کی وہ بے ادبی کی ہے جو دنیا کی کسی قوم نے اپنے رسول یا نبی کی نہیں کی ہوگی - کیونکہ یسوع کا لعنتی ہوجانا گو وہ تین دن کے لیے ہی سہی عیسائیوں کے عقیدہ میں داخل ہے - اور اگر یسوع کو لعنتی نہ بنایا جاوے تو مسیحی عقیدہ کے رو سے کفارہ اور قربانی وغیرہ سب باطل ہوجاتے ہیں - گویا اس تمام عقیدہ کا شہتیر لعنت ہی ہے -

اور یہ باتیں جو یسوع نوع انسان کی محبت کے لیے دنیا میں بھیجا گیا اور نوع انسان کیطرح اس نے اپنے تئیں قربان کیا - یہ تمام کارروائی عیسائیوں کے خیال میں اس شرط سے مفید ہے کہ جب یہ عقیدہ رکھا جاوے کہ یسوع اول دنیا کے گناہوں کے باعث ملعون ہوا - اور لعنت کی لکڑی پر لٹکایا گیا اس پر ہم پہلے اشارہ کر آئے ہیں کہ یسوع مسیح کی قربانی لعنتی قربانی ہر گناہ سے لعنت آئی اور لعنت سے صلیب ہوئی - اب تنقیح طلب یہ امر ہے کہ کیا لعنت کا مفہوم کسی راستباز کیطرف منسوب کرسکتے ہیں؟ سو واضح ہو کہ عیسائیوں نے یہ بڑی غلطی کی ہے کہ یسوع کی نسبت لعنت کا اطلاق جائز رکھا گو وہ تین دن تک ہی ہو یا اس سے بھی کم - کیونکہ لعنت ایک ایسا مفہوم ہے جو شخص ملعون کے دل سے تعلق رکھتا ہے اور کسی شخص کو اس وقت لعنتی کہا جاتا ہے جبکہ اسکا دل خدا سے بالکل برگشتہ اور اس کا دشمن ہو جاوے - اسلیے لعین شیطان کا نام ہے اور راستبازوں کو کون نہیں جانتا کہ لعنت قرب کے مقام سے رد کرنیکو کہتے ہیں اور یہ لفظ اس شخص کے لیے بولا جاتا ہے جس کا دل خدا کی محبت اور اطاعت سے دور جا پڑے اور درحقیقت وہ خدا کا دشمن ہو جاوے - لفظ لعنت کے یہی معنی ہیں جس پر تمام اہل لغت نے اتفاق کیا ہے - اب ہم پوچھتے ہیں کہ اگر درحقیقت یسوع مسیح پر لعنت پڑگئی تھی تو اس سے لازم آتا ہے کہ درحقیقت وہ مورد غضب الٰہی ہو گیا تھا - اور وہ خدا کا دشمن ہو گیا تھا اور خدا اس سے بیزار اور وہ خدا سے بیزار ہو گیا تھا جیساکہ لعنت کا مفہوم ہے تو اس سے لازم آتا ہے کہ وہ لعنت کے دنوں میں درحقیقت کافر اور خدا سے برگشتہ اور خدا کا دشمن اور شیطان کا حصہ اپنے اندر رکھتا تھا - پس یسوع کی نسبت ایسا اعتقاد کرنا گویا نعوذ باللہ اسکو شیطان کا بھائی بناتا ہے - اور میرے خیال میں ایک راستباز نبی کی نسبت ایسی بیباکی کوئی خدا ترس نہیں کرے گا بجز اس شخص کے جو خبیث طبع اور ناپاک طبع ہو -

پس جبکہ یہ بات باطل ہوئی کہ حقیقی طور پر یسوع مسیح کا دل مورد لعنت ہوگیا تھا پس ساتھ ہی یہ بھی ماننا پڑے گا کہ ایسی لعنتی قربانی بھی باطل اور نادان لوگوں کا اپنا منصوبہ ہے۔ اگر نجات اسی طرح حاصل ہوسکتی ہے کہ اول یسوع کو شیطان اور خدا سے برگشتہ اور خدا سے بیزار ٹھہرایا جائے تو لعنت ہے ایسی نجات پر!! اس سے بہتر تھا کہ عیسائی اپنے لیے دوزخ قبول کرلیتے لیکن خدا کے ایک مقرب کو شیطان کا لقب نہ دیتے۔ افسوس کہ ان لوگوں نے کیسی بیہودہ اور ناپاک باتوں پر بھروسہ کر رکھا ہے۔ ایک طرف تو خدا کا بیٹا اور خدا سے نکلا ہوا اور خدا سے ملا ہوا فرض کرتے ہیں اور دوسری طرف شیطان کا لقب اسکو دیتے ہیں کیونکہ لعنت شیطان سے مخصوص ہے اور لعین شیطان کا نام ہے اور لعنتی وہ ہوتا ہے جو شیطان سے نکلا اور شیطان سے ملا ہوا اور خود شیطان ہے۔ پس عیسائیوں کے عقیدہ کے رو سے یسوع میں دو قسم کی تثلیث پائی گئی۔ ایک رحمانی اور ایک شیطانی۔ اور نعوذ باللہ یسوع نے شیطان میں ہوکر شیطان کے ساتھ اپنا وجود ملایا۔ اور لعنت کے ذریعہ سے شیطانی خواص اپنے اندر لیے۔ یعنی یہ کہ خدا کا نافرمان ہوا۔ خدا سے بیزار ہوا۔ خدا کا دشمن ہوا۔ اب میاں سراج الدین آپ انصافاً فرماویں کہ کیا یہ مثل جو مسیح کیطرف منسوب کیا جاتا ہے کوئی روحانی یا معقولی پاکیزگی اپنے اندر رکھتا ہے؟ کیا دنیا میں اس سے بدتر کوئی اور عقیدہ بھی ہوگا کہ ایک راستباز کو اپنی نجات کے لیے خدا کا دشمن اور خدا کا نافرمان اور شیطان قرار دیا جاوے؟ خدا کو جو قادر مطلق اور رحیم کریم تھا اس لعنتی قربانی کی کیا ضرورت پڑی؟

پھر جب اس اصول کو اس پہلو سے دیکھا جاوے کہ کیا اس لعنتی قربانی کی تعلیم یہودیوں کو بھی دی گئی ہے یا نہیں تو اور بھی اس کے کذب کی حقیقت کھلتی ہے کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ اگر خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں انسانوں کی نجات کے لیے صرف ایک یہی ذریعہ تھا کہ اس کا ایک بیٹا ہو اور وہ تمام گنہگاروں کی لعنت کو اپنے ذمہ لیلے اور پھر لعنتی قربانی بنکر صلیب پر کھینچا جاوے تو یہ امر ضروری تھا کہ یہودیوں کے لیے توریت اور دوسری کتابوں میں جو یہودیوں کے ہاتھ میں ہیں اس لعنتی قربانی کا ذکر کیا جاتا۔ کیونکہ کوئی عقلمند ایسا خیال نہیں کرسکتا کہ خدا کا وہ ازلی ابدی قانون جو انسانوں کی نجات کے لیے اس نے مقرر کر رکھا ہے ہمیشہ بدلتا رہے اور توریت کے زمانہ میں کوئی اور ہو اور انجیل کے زمانہ میں کوئی اور قرآن کے زمانہ میں کوئی اور ہو۔ اور دوسرے نبی جو دنیا کے اور حصوں میں آئے ان کے لیے کوئی اور ہو۔ اب ہم جب تحقیق اور تفتیش کی نظر سے دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ توریت اور یہودیوں کی تمام کتابوں میں اس لعنتی قربانی کی تعلیم نہیں ہے۔ چنانچہ

ہم نے ان دنوں میں بڑے بڑے یہودی فاضلوں کی طرف خط لکھے اور اُنکو خدا تعالیٰ کی قسم دیکر
پوچھا کہ انسانوں کی نجات کے لیے توریت اور دوسری کتابوں میں تمھیں کیا تعلیم دی گئی ہے۔
کیا یہ تعلیم دی گئی ہے کہ خدا کے بیٹے کے کفارہ اور اُسکی قربانی پر ایمان لاؤ یا کوئی اور تعلیم ہے؟
تو اُنھوں نے یہ جواب دیا کہ نجات کے بارے میں توریت کی تعلیم بالکل قرآن کے مطابق ہے یعنی
خدا کی طرف سچا رجوع کرنا اور گناہوں کی معافی چاہنا اور جذبات نفسانیہ سے دور ہو کر خدا
کی رضا کے لیے نیک اعمال بجا لانا اور اس کے حدود اور قوانین اور احکام اور وصیتوں کو بڑے
زور اور سختی کشی کے ساتھ بجا لانا یہی ذریعہ نجات ہے جو بار بار توریت میں ذکر کیا گیا جسپر ہمیشہ
خدا کے مقدس نبی پابندی کرانے چلے آئے ہیں اور جس کے چھوڑنے پر عذاب بھی نازل ہوتے
رہے ہیں۔" اور ان فاضل یہودیوں نے صرف یہی نہیں کیا کہ اپنی مفصل چٹھیات سے
مجکو جواب دیا بلکہ انھوں نے اپنے محقق فاضلوں کی نادر اور بے مثل کتابیں جو اسبارے
میں لکھی گئی تھیں میرے پاس بھیجدیں جو اب تک موجود ہیں اور چٹھیات بھی موجود ہیں جو شخص
دیکھنا چاہے میں دکھا سکتا ہوں اور ارادہ رکھتا ہوں کہ ایک مفصل کتاب میں وہ سب اسناد
درج کردوں۔ اب ایک عقلمند کو نہایت انصاف اور دلکی صفائی کے ساتھ سوچنا چاہیے
کہ اگر یہی بات سچ ہوتی کہ خدا تعالیٰ نے یسوع مسیح کو اپنا بیٹا قرار دیکر اور غیروں کی لعنت اُس پر
ڈالکر پھر اس لعنتی قربانی کو لوگوں کی نجات کے لیے ذریعہ ٹھیرایا تھا اور یہی تعلیم یہودیوں کو
ملی تھی تو کیا سبب تھا کہ یہودیوں نے آجتک اس تعلیم کو پوشیدہ رکھا اور بڑے اصرار سے
اُس کے دشمن رہے اور یہ اعتراض اور بھی قوت پاتا ہے جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ یہودیوں کی تعلیم
کو تازہ کرنے کے لیے ساتھ ہی نبی بھی پہلے چلے آئے تھے اور حضرت موسیٰ نے کئی لاکھ انسانوں
کے سامنے توریت کی تعلیم کو بیان کیا تھا۔ پھر کیونکر ممکن تھا کہ یہودی لوگ ایسی تعلیم کو جو تواتر
نبیوں سے ہوتی آئی بھلا دیتے۔ حالانکہ اُنکو حکم تھا کہ خدا کے احکام اور وصایا کو اپنی چوکھٹوں
اور دروازوں اور آستینوں پر لکھیں اور بچوں کو سکھائیں اور خود حفظ کریں۔ اب کیا یہ
بات سمجھ میں آسکتی ہے یا کسی کا پاک کانشنس یہ گواہی دیسکتا ہے کہ باوجود اتنی نگہداشت
کے سامانوں کے تمام فرقے یہود کے توریت کی اُس پیاری تعلیم کو بھول گئے جسپر اُنکی نجات کا
مدار تھا یہودی نہ آجسے بلکہ قدیم سے یہ کہتے چلے آئے ہیں کہ توریت میں وہی باتیں ذریعہ
نجات بتلائی گئی ہیں۔ چنانچہ قرآن شریف کے وقت میں بھی اُنھوں نے یہی گواہی دی اور اب
بھی یہی گواہی دیتے ہیں۔ اور اسی مضمون کی اُنکی چٹھیاں اور نیز کتابیں میرے پاس پہنچی
ہیں۔ اگر یہودیوں کو نجات کے لیے اس لعنتی قربانی کی تعلیم دیجاتی تو کچھ سبب معلوم نہیں ہوتا

کہ کیوں وہ اس تعلیم کو پوشیدہ کرتے ہاں یہ ممکن تھا کہ وہ یسوع مسیح کو خدا کا بیٹا کر کے نہ مانتے اور اسکی صلیب کو سچے بیٹے کی صلیب تصور نہ کرتے - اور یہ کہتے کہ وہ حقیقی بیٹا جسکی قربانی سے دنیا کو نجات ملے گی یہ نہیں ہے بلکہ آیندہ کسی زمانہ میں ظاہر ہوگا مگر یہ تو کسی طرح ممکن نہ تھا کہ تمام فرقے یہود کے سرے سے ایسی تعلیم سے انکار کر دیتے جو انکی کتابوں میں موجود تھی اور خدا کے پاک نبی اُسکو تازہ کرتے آئے تھے - یہودی اب تک زندہ موجود ہیں اور اُن کے فاضل اور عالم بھی موجود ہیں اور اُن کی کتابیں بھی موجود ہیں - اگر کسیکو شک ہو تو اُن سے بالمواجہ دریافت کرے - کیا ایک عقلمند جو درحقیقت سچائی کی تلاش میں ہے وہ اسبات کا محتاج نہیں کہ یہودیوں کی بھی گواہی لے - کیا یہودی وہ پہلے گواہ نہیں ہیں جو صدہا برسوں سے توریت کی تعلیم کو حفظ کرتے چلے آئے ہیں؟ ایک عاجز انسان کو خدا بنانا نہ اسپر پہلی تعلیموں کی گواہی نہ اُن تعلیموں کے وارثوں کی گواہی نہ پچھلی تعلیم کی گواہی نہ عقل کی گواہی - اُس شخص کو خدا کا بھی کہنا اور پھر شیطان کا بھی - کیا ان گندی اور نامعقول باتوں کو ماننا پاک فطرت لوگوں کا کام ہے؟!!

پھر جب اس عقیدہ کو اس پہلو سے دیکھا جاوے کہ باوجودیکہ توریت کی متوارث اور قدیم تعلیم کی مخالفت کی گئی اور ایک کا گناہ دوسرے پر ڈالا گیا اور ایک راستباز کے دل کو لعنتی اور خدا سے دور اور مہجور اور شیطان کا ہمخیال ٹھیرایا گیا پھر ان سب خرابیوں کے ساتھ اس لعنتی قربانی کو قبول کرنے والوں کے لیے فائدہ کیا ہوا - کیا وہ گناہ سے باز آگئے یا اُن کے گناہ بخشے گئے تو اور بھی اس عقیدہ کی لغویت ثابت ہوتی ہے کیونکہ گناہ سے باز آنا اور سچی پاکیزگی حاصل کرنا تو بیداہت خلاف واقعہ ہے - کیونکہ بموجب عقیدہ عیسائیوں کے حضرت داؤد علیہ السلام بھی کفارہ یسوع پر ایمان لائے تھے - لیکن بقول اُن کے ایمان لانیکے بعد نعوذباللہ حضرت داؤد نے ایک بیگناہ کو قتل کیا اور اُسکی جورو سے زنا کیا اور نفسانی کاموں میں خلافت کے خزانہ کا مال خرچ کیا اور سو تک جورو کی اور اخیر عمر تک اپنے اُن گناہوں کو تازہ کرتے رہے اور ہر روز کمال گستاخی کے ساتھ گناہ کا ارتکاب کیا - پس اگر یسوع کی لعنتی قربانی گناہ سے روک سکتی تو بقول اُن کے داؤد اسقدر گناہ میں نہ ڈوبتا - ایسا ہی یسوع کی تین نانیاں زنا کی بری حرکت میں مبتلا ہوئیں - پس ظاہر ہے کہ اگر یسوع کی لعنتی قربانی پر ایمان لانا اندرونی پاکیزگی پیدا کرنے کے لیے کچھ اثر رکھتا تو اسکی نانیاں ضرور اس سے فائدہ اُٹھاتیں اور ایسے قابل شرم گناہوں میں مبتلا نہ ہوتیں - ایسا ہی یسوع کے حواریوں سے بھی ایمان لانیکے بعد قابل شرم گناہ سرزد ہوئے - یہودا اسکریوطی نے تیس روپے پر یسوع کو بیچا اور پطرس نے سامنے کھڑے ہو کر تین مرتبہ یسوع پر لعنت بھیجی اور باقی سب بھاگ گئے اور ظاہر ہے کہ نبی پر لعنت

جیسا سخت گناہ ہے اور یورپ میں جو آجکل شرابخواری اور زناکاری کا طوفان برپا ہے اُسکے لکھنے کی حاجت نہیں۔ ہم اپنے کسی پہلے پرچہ میں بعض بزرگ پادری صاحبوں کی زناکاری کا ذکر اخبارات کے حوالہ سے کر چکے ہیں۔ ان تمام واقعات سے بکمال صفائی ثابت ہوتا ہے کہ لعنتی قربانی گناہ سے روک نہیں سکی ہ

اب دوسرا شق یہ ہے کہ اگر گناہ رُک نہیں سکتے تو کیا اس **لعنتی قربانی** سے ہمیشہ گناہ بخشے جاتے ہیں۔ گویا یہ ایک نسخہ ہے کہ ایکطرف ایک بدمعاش ناحق کا خون کر کے یا چوری کر کے یا جھوٹی گواہی سے کسی کے مال یا جان یا آبرو کو نقصان پہونچا کر اور یا کسی کے مال کو غبن کیطور برد یا کر اور پھر اس **لعنتی قربانی** پر ایمان لا کر خدا کے بندوں کے حقوق کو ہضم کر سکتا ہے اور ایسا ہی زناکاری کی ناپاک حالت میں ہمیشہ رہ کر صرف **لعنتی قربانی** کا اقرار کر کے خدا تعالیٰ کے قہری مواخذہ سے بچ سکتا ہے۔ پس صاف ظاہر ہے کہ ایسا ہرگز نہیں بلکہ ارتکاب جرائم کر کے پھر اس **لعنتی قربانی** کی پناہ میں جانا بدمعاشی کا طریق ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ پولوس کے دل کو بھی یہ دھڑکا شروع ہو گیا تھا کہ یہ اصول صحیح نہیں ہے اسی لیے وہ کہتا ہے کہ "یسوع کی قربانی پہلے گناہ کے لیے ہے اور یسوع دوبارہ مصلوب نہیں ہو سکتا" لیکن اس قول سے وہ بڑی مشکلات میں پھنس گیا ہے کیونکہ اگر یہی صحیح ہے کہ یسوع کی **لعنتی قربانی** پہلے گناہ کے لیے ہے تو مثلاً داؤد نبی معاذ اللہ ہمیشہ کی جہنم کے لائق ٹھیرے گا۔ کیونکہ اُس نے اوریا کی جورو سے بقول عیسائیوں کے زنا کر کے پھر اُس عورت کو بغیر خدا کی اجازت کے تمام عمر اپنے گھر میں رکھا۔ اور وہی مریم کے سلسلہ امہات میں یسوع کی نانی جان ہے۔ علاوہ اسکے داؤد نے تشونک بیوی بھی کی جن کا کرنا بموجب اقرار عیسائیوں کے اُسکو روا نہیں تھا۔ پس یہ گناہ اُس کا پہلا گناہ نہ رہا بلکہ بار بار واقع ہوتا رہا اور ہر ایک دن نئے سرے اُسکا اعادہ ہوتا تھا۔ پھر جبکہ **لعنتی قربانی** گناہ سے روک نہیں سکتی تو بیشک عام عیسائیوں سے بھی گناہ ہوتے ہوں گے جیسا کہ اب بھی ہو رہے ہیں۔ پس بموجب اصول پولوس کے دوسرا گناہ اُن کا قابل معافی نہیں اور ہمیشہ کا جہنم اسکی سزا ہے اس صورت میں ایک بھی عیسائی دائمی جہنم سے نجات پائے والا ثابت نہیں ہوتا۔ مثلاً میاں سراج الدین دور نہ جائیں اپنے حالات ہی دیکھیں کہ پہلے انھوں نے مریم کے صاحبزادہ کو خدا کا بیٹا مان کر **لعنتی قربانی کا بپتسمہ** پایا اور پھر قادیان میں آ کر نئے سرے مسلمان ہوئے اور اقرار کیا کہ مینے بپتسمہ لینے میں جلدی کی تھی اور نماز پڑھتے رہے اور بار ہا میرے روبرو اقرار کیا کہ کفارہ کی لغویت کی حقیقت بخوبی میرے پر کھل گئی ہے اور میں اسکو باطل جانتا ہوں اور پھر

قادیان سے واپس جاکر پادریوں کے دام میں پھنس گئے اور عیسائیت کو اختیار کیا۔ اب میاں سراج الدین کو خود سوچنا چاہیے کہ جب اول بپتسمہ پاکر عیسائی دین سے پھر گئے تھے اور قول اور فعل سے انہوں نے اُس کے برخلاف کیا تو عیسائی اصول کے رو سے یہ ایک بڑا گناہ تھا جو دوسری دفعہ اُن سے وقوع میں آیا پس پولوس کے قول کے مطابق یہ گناہ اُن کا بخشا نہیں جائے گا کیونکہ اس کے لیے دوسری صلیب کی ضرورت ہے۔

اور اگر یہ کہو کہ پولوس نے غلطی کھائی ہے یا جھوٹ بولا ہے اور اصل بات بھی یہی ہے کہ **لعنتی قربانی** پر ایمان لانے کے بعد کوئی گناہ گناہ نہیں رہتا چوری کرو زنا کرو خون ناحق کرو جھوٹھ بولو امانت میں خیانت کرو غرض کچھ کرو کسی گناہ کا مواخذہ نہیں تو ایسا مذہب ایک ناپاکی پھیلانے والا مذہب ہوگا۔ اور وقت کی گورنمنٹ کو مناسب ہوگا کہ ایسے عقائد کے پابندوں کی ضمانتیں لیوے۔ اور اگر اس خیال کو دوبارہ پیش کرو کہ **لعنتی قربانی** پر ایمان لانیوالا سچی پاکیزگی حاصل کرتا ہے اور گناہ سے پاک ہو جاتا ہے تو ہم اس کا جواب پہلے دے چکے ہیں کہ یہ بات ہرگز صحیح نہیں ہے اور ہم ابھی داؤد نبی کا گناہ یسوع کی نانیوں کے گناہ اور حواریوں کے گناہ اور حضرات پادری صاحبوں کے گناہ لکھ چکے ہیں اور اس بات کو تمام اہل تجربہ جانتے ہیں کہ **یورپ** ان دنوں میں بدکاریوں میں اول درجہ پر ہے اگر فرض کے طور پر کسی پاک زندگی کی نظیر دی جاوے تو اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ حقیقت میں اُسکی زندگی پاک ہے۔ بہتیرے بدمعاش حرامخور زانی دیوث شراب خوار خدا کے منکر بظاہر پاک زندگی دکھلا سکتے ہیں اور اندر سے اُن قبروں کی طرح ہوتے ہیں جنمیں بجز متعفن مردہ اور اُسکی ہڈیوں کے اور کچھ بھی نہیں ہوتا۔

ماسوا اس کے یہ خیال کرنا بھی بیجا ہے کہ کسی قوم کے سارے کے سارے اپنی فطرت کی رو سے نیک یا سب کے سب فطرتاً بدمعاش ہیں بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ خدا کے قانون قدرت نے یہ دعوے کرنے کا حق ہر ایک قوم کو بخشا ہے کہ جیسے بعض لوگ اُن میں فطرتاً بداخلاق اور بدسرشت اور بداندیش اور بدکردار ہیں ایسا ہی بمقابلہ اُن کے بعض دوسرے لوگ فطرتاً دل کے غریب نیک خلق نیک چلن نیک کردار ہیں اس قانون قدرۃ سے نہ ہندو باہر ہیں نہ پارسی نہ یہودی نہ سکھ نہ بدھ مذہب والے یہانتک کہ چوڑھے اور چمار اسی قانون قدرت میں داخل ہیں اور جیسے جیسے لوگ تہذیب اور شایستگی میں بڑھتے ہیں اور اُن کا قومی مجمع عزت اور علم اور وقار کا رنگ پکڑتا جاتا ہے اُسی قدر اُن کے نیک فطرت لوگ اپنی پاک زندگی اور نیک چلنی میں زیادہ ناموری حاصل کرتے ہیں اور نمایاں چمک کے ساتھ اپنا نمونہ دکھلاتے ہیں اگر تمام قوموں کے بعض افراد میں فطرتاً سعادت کا مادہ نہ ہوتا تو تبدیل مذہب سے بھی وہ مادہ پیدا نہ ہو سکتا

کیونکہ خدا کی فطرت میں تبدیل نہیں۔ اگر کوئی حقیقی سچائی کا بھوکا اور پیاسا ہے تو ضرور اس کو ماننا پڑے گا کہ مذہب کے وجود سے پہلے یہ خداداد تقسیم طبائع میں ہو چکی ہے کہ کسی کی فطرت میں غلبہ حلم اور محبت اور کسی کی فطرت میں غلبہ درشتی اور غضب ہے اب مذہب یہ سکھلاتا ہے کہ وہ محبت اور اطاعت اور صدق اور وفا جو مثلاً ایک بُت پرست یا انسان پرست مخلوق کی نسبت عبادت کے رنگ میں بجالاتا ہے اُن ارادوں کو خدا کی طرف پھیرے اور وہ اطاعت خدا کی راہ میں دکھلاوے۔

یہ سوال کہ مذہب کا تصرف انسانی قویٰ پر کیا ہے انجیل نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا کیونکہ انجیل حکمت کے طریقوں سے دور ہے۔ لیکن قرآن شریف بڑی تفصیل سے بار بار اس مسئلہ کو حل کرتا ہے کہ مذہب کا یہ منصب نہیں ہے کہ انسانوں کے فطرتی قویٰ کی تبدیل کرے اور بھیڑیے کو بکری بنا کر دکھلاوے بلکہ مذہب کی صرف علت غائی یہ ہے کہ جو قویٰ اور ملکات فطرتاً انسان کے اندر موجود ہیں اُنکو اپنے محل اور موقعہ پر لگانے کے لیے رہبری کرے۔ مذہب کا یہ اختیار نہیں ہے کہ کسی فطرتی قویٰ کو بدل ڈالے۔ ہاں یہ اختیار ہے کہ اُسکو محل پر استعمال کرنیکے لیے ہدایت کرے اور صرف ایک قوت مثلاً رحم یا عفو پر زور نہ ڈالے بلکہ تمام قوتوں کے استعمال کے لیے وصیت فرماوے کیونکہ انسانی قوتوں میں سے کوئی بھی قوت بُری نہیں بلکہ افراط اور تفریط اور بداستعمالی بُری ہے اور جو شخص قابل ملامت ہے وہ صرف فطرتی قویٰ کی وجہ سے قابل ملامت نہیں بلکہ اُنکی بد استعمالی کی وجہ سے قابل ملامت ہے۔ غرض قسام مطلق نے ہر ایک قوم کو فطرتی قویٰ کا حصہ برابر دیا ہے اور جیسا کہ ظاہری ناک اور آنکھ اور منہ اور ہاتھ اور پیر وغیرہ تمام قوموں کے انسانوں کو عطا ہوئے ہیں ایسی ہی باطنی قوتیں بھی سب کو عطا ہوئی ہیں اور ہر ایک قوم میں بلحاظ اعتدال یا افراط اور تفریط کے اچھے آدمی بھی ہیں اور بُرے بھی۔ لیکن مذہب کے اثر کے رو سے کسی قوم کا اچھا بنانا کسی مذہب کو کسی قوم کی شائستگی کا اصل موجب قرار دینا اُسوقت ثابت ہو گا کہ اُس مذہب کے بعض کامل پیرو دو میں اس قسم کے روحانی کمال پائے جائیں جو دوسرے مذہب میں اُنکی نظیر نہ مل سکے۔ سو میں زور سے کہتا ہوں کہ یہ خاصہ اسلام میں ہے اسلام نے ہزاروں لوگوں کو اُس درجہ کی پاک زندگی تک پہونچایا ہے جسے ہمیں کچھ کہہ سکتے ہیں کہ گویا خدا کی روح اُن کے اندر سکونت رکھتی ہے قبولیت کی روشنی اُن کے اندر ایسی پیدا ہو گئی ہے کہ گویا وہ خدا کی تجلیات کے مظہر ہیں۔ یہ لوگ ہر ایک صدی میں ہوتے رہے ہیں اور اُنکی پاک زندگی بے ثبوت نہیں اور نرا اپنے مُنہ کا دعوے نہیں بلکہ خدا گواہی دیتا رہا ہے کہ ان کی پاک زندگی ہے۔

یاد رہے کہ خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں اعلیٰ درجہ کی پاک زندگی کی یہ علامت بیان فرمائی ہے

کہ ایسے شخص سے خوارق ظاہر ہوتے ہیں اور خدا تعالیٰ ایسے شخصوں کی دعا سنتا ہے اور ان سے ہمکلام ہوتا ہے اور پیش از وقت اُن کو غیب کی خبریں بتلاتا ہے اور اُن کی تائید کرتا ہے۔ سوم یہ کہ نشان دکھاتے ہیں کہ ہزاروں اسلام میں ایسے ہوتے آئے ہیں۔ چنانچہ **اس زمانہ میں یہ نمونہ دکھلانے کے لیے یہ عاجز موجود ہے** مگر عیسائیوں ہمیں بتلاویں یہ لوگ کہاں اور کس ملک میں رہتے ہیں جو انجیل کے قرار دادہ نشانوں کے موافق اپنا حقیقی ایمان اور پاک زندگی ثابت کر سکتے ہیں؟ ہر ایک چیز اپنی نشانیوں سے پہچانی جاتی ہے جیساکہ ہر ایک درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے۔ اور اگر پاک زندگی کا صرف دعویٰ ہی ہے اور کتابوں کے مقرر کردہ نشان اُس دعوے پر گواہی نہیں دیتے تو یہ دعوے باطل ہے کیا انجیل نے سچے اور واقعی ایمان کی کوئی نشانی نہیں لکھی؟ کیا اُس نے اُن نشانوں کو فوق العادت کے رنگ میں بیان نہیں کیا؟ پس اگر انجیلوں میں سچے ایمانداروں کے نشان لکھے ہیں تو ہر ایک عیسائی پاک زندگی کے مدعی کو انجیل کے نشانوں کے موافق آزمانا چاہیے ایک بڑے بزرگ پادری کا ایک غریب سے غریب مسلمان کے ساتھ روحانی روشنی اور قبولیت میں مقابلہ کرکے دیکھلو پھر اگر اُس پادری میں اُس غریب مسلمان کے مقابل پر کچھ بھی آسمانی روشنی کا حصہ پایا جاوے تو ہم ہر ایک سزا کے مستحق ہیں۔ اسی وجہ سے میں کئی دفعہ اسبارہ میں عیسائیوں کے مقابل پر اشتہار دے چکا ہوں۔ اور میں سچ سچ کہتا ہوں اور میرا خدا گواہ ہے کہ **مجھ پر** ثابت ہو گیا ہے کہ حقیقی ایمان اور واقعی پاک زندگی جو آسمانی روشنی سے حاصل ہو بجز **اسلام** کے کسیطرح مل ہی نہیں سکتی۔ یہ پاک زندگی جو ہمکو ملی ہے یہ صرف ہمارے مُنہ کی لاف و گذاف نہیں اسپر آسمانی گواہیاں ہیں کوئی پاک زندگی بجز آسمانی گواہی کے ثابت نہیں ہو سکتی۔ اور کسی کے چھپے ہوئے نفاق اور بے ایمانی پر ہم اطلاع نہیں پا سکتے۔ ہاں جب آسمانی گواہی والے پاک دل لوگ کسی قوم میں پائے جائیں تو باقی تمام قوم کے لوگ بظاہر پاک زندگی نما بھی پاک زندگی والے سمجھے جائیں گے کیونکہ قوم ایک وجود کے حکم میں ہے اور ایک ہی نمونہ سے ثابت ہو سکتا ہے کہ اس قوم کو آسمانی پاک زندگی مل سکتی ہے*

اسی بنا پر مینے عیسائیوں کے لیے ایک فیصلہ کرنے والا اشتہار دیا تھا پس اگر انکو حق کی طلب ہوتی تو وہ اسطرف متوجہ ہوتے اور میں اب بھی کہتا ہوں کہ عیسائیوں کو بھی ایمان اور پاک زندگی کا دعویٰ ہے اور مسلمانوں کو بھی۔ اب تنقیح طلب یہ امر ہے کہ ان دونوں گروہوں میں سے خدا کے نزدیک کس کا ایمان مقبول اور کسکی واقعی پاک زندگی ہے اور کسکا ایمان صرف شیطانی خیالات اور پاک زندگی کا دعویٰ صرف نابینائی کا دھوکا ہے

* اس جگہ کوئی گذشتہ قصہ پیش کرنا لغو ہے موجودہ واقعات کو بالمقابل دکھلانا چاہیئے۔ منہ

پس میرے نزدیک جو ایمان اپنے ساتھ آسمانی گواہیاں رکھتا ہے اور قبولیت کے آثار ہمیں پائے جاتے ہیں وہی ایمان صحیح اور مقبول ہے۔ اور ایسا ہی پاک زندگی وہی واقعی طور پر ہے جو اپنے ساتھ آسمانی نشان رکھتی ہے۔ وجہ یہ کہ اگر صرف دعویٰ ہی قبول کرنا ہے تو دنیا کی تمام قومیں یہی دعویٰ کر رہی ہیں کہ ہم میں بڑے بڑے لوگ پاک زندگی والے گذرے ہیں اور موجود ہیں بلکہ اُن کے اعمال اور افعال بھی پیش کرتے ہیں جنکی اندرونی حقیقت کا فیصلہ کرنا مشکل ہے۔ سو اگر عیسائیوں کا یہ خیال ہے کہ کفّارہ سے پاک ایمان اور پاک زندگی ملتی ہے تو اُن کا فرض ہے کہ وہ اب میدان میں آئیں اور دعا کے قبول ہونے اور نشانوں کے ظہور میں میرا مقابلہ کرلیں۔ اگر آسمانی نشانوں کے ساتھ اُن کی زندگی پاک ثابت ہوجائے تو میں ہر ایک سزا کا مستوجب ہوں اور ہر ایک ذلت کا سزاوار ہوں۔ میں بڑی زور سے کہتا ہوں کہ روحانیت کے رو سے عیسائیوں کی نہایت گندی زندگی ہے اور وہ پاک خدا جو آسمان اور زمین کا خدا ہے اُنکی اعتقادی حالتوں سے ایسا متنفر ہے جیساکہ ہم نہایت گندے اور سڑے ہوئے مردار سے متنفر ہوتے ہیں اگر میں اس بات میں جھوٹھا ہوں اور اگر اس قول میں میرے ساتھ خدا نہیں ہے تو نرمی اور آہستگی سے مجھ سے فیصلہ کرلیں میں پھر کہتا ہوں کہ ہرگز وہ پاک زندگی عیسائیوں میں موجود نہیں ہے جو آسمان سے اُترتی اور دلوں کو روشن کرتی ہے۔ بلکہ جیساکہ میں بیان کر آیا ہوں بعضوںمیں فطرتی بھلا مانس ہونا اور عام قوموں کیطرح پایا جاتا ہے۔ سو فطرتی شرافت سے میری بحث نہیں اس غربت اور شرافت کے لوگ ہر ایک قوم کے لوگ کم وبیش پائے جاتے ہیں یہانتک کہ بھنگی اور چمار بھی اس سے باہر نہیں۔ لیکن میرا کلام آسمانی پاک زندگی میں ہے جو خدا کے زندہ کلام سے حاصل ہوتی اور آسمان سے اُترتی اور اپنے ساتھ آسمانی نشان رکھتی ہے۔ سو یہ عیسائیوں میں موجود نہیں پھر کوئی سمجھاوے کہ **لعنتی قربانی** کا فائدہ کیا ہوا؟

اب جبکہ اس نجات کے طریق کی تفصیل ہوچکی جو عیسائی یسوع کی طرف منسوب کرتے ہیں تو اُسپر طبعًا یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا منشا بھی یہی لعنتی قربانی نوع انسان کی پاکیزگی اور نجات کے لیے پیش کرتا ہے یا کوئی اور طریق پیش کرتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس پلید اور ناپاک طریق سے اسلام کا دامن بالکل منزہ ہے وہ کوئی لعنتی قربانی پیش نہیں کرتا اور نہ لعنتی محبت پیش کرتا ہے۔ بلکہ اُس نے ہمیں یہ تعلیم دی ہے کہ ہم سچی پاکیزگی حاصل کرنے کے لیے اپنے وجود کی پاک قربانی پیش کریں جو اخلاص کے پانیوں سے دھوئی ہوئی اور صدق اور صبر کی آگ سے صاف کی ہوئی ہے جیساکہ وہ

فرماتا ہے بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۔ یعنی جو شخص اپنے وجود کو خدا کے آگے رکھدے اور اپنی زندگی اُسکی راہوں میں وقف کرے اور نیکی کرنے میں سرگرم ہو سو وہ چشمہ قرب الٰہی سے اپنا اجر پائے گا اور ان لوگوں پر نہ کچھہ خوف ہے نہ کچھہ غم۔ یعنی جو شخص اپنے تمام قوے کو خدا کی راہ میں لگاوے اور خالص خدا کے لیے اُس کا قول اور فعل اور حرکت اور سکون اور تمام زندگی ہو جاوے اور حقیقی نیکی کے بجالانے میں سرگرم رہے سو اُسکو خدا اپنے پاس سے اجر دے گا اور خوف اور حزن سے نجات بخشے گا۔

یاد رہے کہ یہی اسلام کا لفظ اسجگہ بیان ہوا ہے دوسرے لفظوں میں قرآن شریف میں اس کا نام استقامت رکھا ہے جیساکہ وہ یہ دعا سکھلاتا ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ یعنی ہمیں استقامت کی راہ پر قائم کر اُن لوگوں کی راہ جنھوں نے تجھسے انعام پایا اور جنپر آسمانی دروازے کھلے۔ واضح رہے کہ ہر ایک چیز کی وضع استقامت اُسکی علت غائی پر نظر کرکے سمجھی جاتی ہے اور انسان کے وجود کی علت غائی یہ ہے کہ نوع انسان خدا کے لیے پیدا کی گئی ہے۔ پس انسانی وضع استقامت یہ ہے کہ جیساکہ وہ اطاعت ابدی کے لیے پیدا کیا گیا ہے ایسا ہی درحقیقت خدا کے لیے ہو جاوے اور جب وہ تمام اپنے قویٰ سے خدا کے لیے ہو جاوے گا تو بلا شبہ اُسپر انعام نازل ہوگا جسکو دوسرے لفظوں میں پاک زندگی کہہ سکتے ہیں۔ جیساکہ تم دیکھتے ہو کہ جب آفتاب کیطرف کھڑکی کھولی جاوے تو آفتاب کی شعاعیں ضرور کھڑکی کے اندر آجاتی ہیں۔ ایسا ہی جب انسان خدا تعالیٰ کی طرف بالکل سیدھا ہو جاوے اور اُسمیں اور خدا تعالیٰ میں کچھہ حجاب نہ رہے تب فی الفور ایک نورانی شعلہ اُسپر نازل ہوتا ہے اور اُسکو منور کر دیتا ہے اور اُسکی تمام اندرونی غلاظت دھو دیتا ہے۔ تب وہ ایک نیا انسان ہو جاتا ہے اور ایک بھاری تبدیلی اُسکے اندر پیدا ہوتی ہے تب کہا جاتا ہے کہ اس شخصکو پاک زندگی حاصل ہوئی۔ اس پاک زندگی کے پانے کا مقام یہی دنیا ہے اسی کیطرف اللہ جل شانہ اس آیت میں اشارہ فرماتا ہے مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ۔ یعنی جو شخص اس جہان میں اندھا رہا اور خدا کے دیکھنے کا اُسکو نور نہ ملا وہ اُس جہان میں بھی اندھا ہی ہوگا۔ غرض خدا کے دیکھنے کے لیے انسان اسی دنیا سے حواس لیجاتا ہے جسکو اس دنیا میں حواس حاصل نہیں ہوے اور اُس کا ایمان محض قصوں اور کہانیوں تک محدود رہا وہ ہمیشہ کی تاریکی میں پڑیگا۔ غرض خدا تعالیٰ نے پاک زندگی اور حقیقی نجات حاصل کرنے کے لیے ہمیں سکھلایا ہے کہ ہم

بالکل خدا کے ہو جائیں اور سچی وفاداری کے ساتھ اُسکے آستانہ پر گریں اور اس بدذاتی سے اپنے تئیں الگ رکھیں کہ مخلوق خدا کو خدا کہنے لگیں اگرچہ مارے جائیں ٹکڑے ٹکڑے کیے جائیں آگ میں جلائے جائیں اور خدا کی ہستی پر اپنے خون سے مہر لگائیں اسی وجہ سے خدا نے ہمارے دین کا نام اسلام رکھا تا یہ اشارہ ہو کہ ہم نے خدا کے آگے سر رکھدیا ہے - اور قانون قدرۃ صاف شہادت دیتا ہے کہ جو قرآن نے پاکیزگی اور حقیقی نجات حاصل کرنے کا طریق سکھایا ہے یہی طریق جسمانی عالم میں بھی پایا جاتا ہے - ہم روز دیکھتے ہیں کہ تمام حیوانات اور نباتات میں بُری غذا کے ملنے اور اچھی غذا کے مفقود ہونے سے بیماریاں پیدا ہوتی ہیں اور قدرۃ نے طریق انسداد یہی رکھا ہے کہ خوراک کے لیے صالح چیزیں میسر کی جائیں اور ردی کو بند کر دیا جائے مثلاً درختوں کو دیکھو کہ وہ تندرست رہنے کے لیے دو خصلت اپنے اندر رکھتے ہیں ایک یہ کہ وہ اپنی جڑھ ونکو زمین کے اندر دباتے چلے جاتے ہیں تا الگ رہ کر خشک نہ ہو جائیں دوئم یہ کہ وہ اپنی جڑھ کی نالیوں کے ذریعہ سے زمین کا پانی اپنی طرف کھینچتے ہیں اور اسطرح نشو و نما کرتے ہیں سو یہی اصول قدرۃ نے انسان کے لیے رکھا ہے - یعنی وہ اُسی حالت میں کامیاب ہوتا ہے کہ اول صدق و ثبات کے ساتھ خدا میں اپنے تئیں مستحکم کرتا ہے اور استغفار کے ساتھ اپنی جڑھ ونکو خدا کی محبت میں لگاتا ہے اور پھر قولی اور عملی توبہ کے ساتھ خدا کیطرف جھکنے کے ذریعہ سے اپنے انکسار اور تذلل کی نالیوں کے ساتھ ربانی دھو پانی اپنی طرف کھینچتا ہے اور اسطرح ایسا پانی کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہے کہ گناہ کی خشکی کو ڈالتا ہے اور کمزوریکو دور کر دیتا ہے + اور استغفار جسکے ساتھ ایمان کی جڑھیں مضبوط ہوتی ہیں قرآن شریف میں دو معنوں پر آیا ہے - ایک تو یہ کہ اپنے دلکو خدا کی محبت میں محکم کر کے گناہوں کے ظہور کو جو علیحدگی کی حالت میں جوش مارتے ہیں خدا تعالیٰ کے تعلق کے ساتھ روکنا اور خدا میں پیوست ہو کر اُس سے مدد چاہنا یہ استغفار تو مقربوں کا ہے جو ایک طرفۃ العین خدا سے علیحدہ ہونا اپنی تباہی کا موجب جانتے ہیں اسلیے استغفار کرتے ہیں تا خدا اپنی محبت میں تھامے رکھے اور دوسری قسم استغفار کی یہ ہے کہ گناہ سے نکلکر خدا کی طرف بھاگنا اور کوشش کرنا کہ جیسے درخت زمین میں لگ جاتا ہے ایسا ہی دل خدا کی محبت کا اسیر ہو جائے تا پاک نشو و نما پاکر گناہ کی خشکی اور زوال سے بچ جائے اور ان دونوں صورتوں کا نام استغفار رکھا گیا - کیونکہ غفر جس سے استغفار نکلا ہے ڈھکنے اور دبانے کو کہتے ہیں - گویا استغفار سے یہ مطلب ہے کہ خدا اُس شخص کے گناہ جو اُسکی محبت میں اپنے تئیں قایم کرتا ہے دبا رکھے اور بشریت کی جڑیں ننگی نہ ہونے دے بلکہ

الوہیت کی چادر میں ہے کر اپنی قدوسیت میں سے حصہ دے۔ یا اگر کوئی جڑھ گناہ کے ظہور سے ننگی ہوگئی ہو پھر اسکو ڈھانک دے اور اسکی برہنگی کے بد اثر سے بچا لے۔ سو چونکہ خدا مبدأ فیض ہے اور اس کا نور ہر ایک تاریکی کے دور کرنے کے لیے ہر وقت طیار ہے اسلیے پاک زندگی کے حاصل کرنے کے لیے یہی صراط مستقیم ہے کہ ہم اس خوفناک حالت سے ڈر کر اس چشمۂ طہارت کی طرف دونوں ہاتھ پھیلائیں تا وہ چشمہ زور سے ہماری طرف حرکت کرے اور تمام گند کو یکدفعہ لے جائے خدا کو راضی کرنے والی اس سے زیادہ کوئی قربانی نہیں کہ ہم درحقیقت اس کی راہ میں موت قبول کر کے اپنا وجود اسکے آگے رکھدیں یہی قربانی کی خدا نے ہمیں تعلیم دی ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ۔ یعنی تم حقیقی نیکی کو کسی طرح پا نہیں سکتے جب تک تم اپنی تمام پیاری چیزیں خدا کی راہ میں خرچ نہ کرو۔ یہ راہ ہے جو قرآن نے ہمیں سکھائی ہے اور آسمانی گواہیاں بلند آواز سے پکار رہی ہیں کہ یہی راہ سیدھی ہے۔ اور عقل بھی اسی پر گواہی دیتی ہے۔ پس جو امر گواہوں کے ساتھ ثابت ہے اسکے ساتھ وہ امر مقابلہ نہیں کر سکتا جس پر کوئی گواہی نہیں یسوع ناصری نے اپنا قدم قرآن کی تعلیم کے موافق رکھا اسلیے اسنے خدا سے انعام پایا ایسا ہی جو شخص اس پاک تعلیم کو اپنا رہبر بنائے گا وہ بھی **یسوع کی مانند** ہو جائے گا۔ یہ پاک تعلیم ہزاروں کو عیسی مسیح بنانے کے لیے طیار ہے اور لاکھوں کو بنا چکی ہے۔

ہم نہایت ہی نرمی اور ادب سے حضرات پادری صاحبوں کی خدمت میں سوال کرتے ہیں کہ اس بیچارہ ضعیف انسان کو خدا ٹھیرا کر آپ کی روحانیت کو کونسی ترقی ہوئی ہے۔ اگر وہ ترقی ثابت کرو تو ہم لینے کو طیار ہیں ورنہ **اے بدبخت مخلوق پرست لوگو!** آؤ ہماری ترقیات دیکھو اور مسلمان ہو جاؤ۔ کیا یہ انصاف کی بات نہیں کہ جو شخص اپنی پاک زندگی اور پاک معرفت اور پاک محبت پر آسمانی شہادت رکھتا ہے وہی سچا ہے اور جس کے ہاتھ میں صرف **قصے** ہیں اور کہانیاں ہیں وہ بدبخت جھوٹا اور نجاست خوار ہے +

دوسرا سوال

اگر اسلام کا مقصد توحید کیطرف آدمیوں کو رجوع کرنا ہے تو کیا وجہ ہے کہ آغاز اسلام میں یہودیوں کے ساتھ جنکی الہامی کتابیں توحید کے سوا اور کچھ نہیں سکھاتیں جہاد کیا گیا؟ یا کیوں آجکل یہودیوں اور توحید کے ماننے والوں کی نجات کے لیے مسلمان ہونا ضروری سمجھا جائے +

الجواب واضح ہو کہ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت میں یہودی توریت کی ہدایت سے

بہت دور جا پڑے تھے اگرچہ یہ سچ ہے کہ اُن کی کتابوں میں توحید باری تعالےٰ تھی مگر وہ اُس توحید سے منتفع نہیں ہوتے تھے۔ اور وہ علت غائی جس کے لیے انسان پیدا کیا گیا اور کتابیں نازل ہوئیں اُسکو کھو بیٹھے تھے۔ حقیقی توحید یہ ہے کہ خدا کی ہستی کو مانکر اور اُسکی وحدانیت کو قبول کرکے پھر اُس کامل اور محسن خدا کی اطاعت اور رضا جوئی میں مشغول ہونا اور اُسکی محبت میں کھوے جانا۔ سو عملی طور پر یہ توحید اُن میں باقی نہیں رہی تھی۔ اور خدا تعالےٰ کی عظمت اور جلال اُن کے دلوں پر سے اُٹھ گئی تھی وہ لبوں سے خدا خدا پکارتے تھے مگر دل اُن کے شیطان کے پرستار ہو گئے تھے اور اُن کے سینے دنیا پرستی اور دنیا طلبی اور مکر اور فریب میں حد سے زیادہ بڑھ گئے تھے۔ اُن میں درویشوں اور راہبوں کی پوجا ہوتی تھی اور سخت قابل شرم بےحیائی کے کام اُنہیں ہوتے تھے ریاکاریاں بڑھ گئی تھیں مکاریاں زیادہ ہو گئی تھیں۔ اور ظاہر ہے کہ توحید صرف اِسبات کا نام نہیں کہ منہ سے **لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ** کہیں اور دلمیں **ہزاروں بُت** جمع ہوں بلکہ جو شخص کسی اپنے کام اور مکر اور فریب اور تدبیر کو خدا کی سی عظمت دیتا ہے یا کسی انسان پر ایسا بھروسہ رکھتا ہے جو خدا تعالےٰ پر رکھنا چاہیے یا اپنے نفس کو وہ عظمت دیتا ہے جو خدا کو دینی چاہیے ان سب صورتوں میں وہ خدا تعالےٰ کے نزدیک بُت پرست ہے بُت صرف وہی نہیں ہیں جو سونے چاندی یا پیتل یا پتھر وغیرہ سے بنائے جاتے ہیں اور انپر بھروسہ کیا جاتا ہے بلکہ ہر ایک چیز یا قول یا فعل جسکو وہ عظمت دیجائے جو خدا تعالیٰ کا حق ہے وہ خدا تعالےٰ کی نگاہ میں بُت ہے۔ ہاں یہ سچ ہے کہ توریت میں اس باریک بُت پرستی کی تصریح نہیں ہے مگر قرآن شریف ان تصریحات سے بھرا پڑا ہے سو قرآن شریف کو نازل کرکے خدا تعالےٰ کا ایک یہ بھی منشا تھا کہ بُت پرستی بھی جو دق کی بیماری کی طرح لگی ہوئی تھی لوگوں کے دلوں سے دور کرے اور اس زمانہ میں یہودی اس قسم کی بت پرستی میں غرق تھے اور توریت اُنکو چھڑا نہیں سکتی تھی اسلیے کہ توریت میں یہ باریک تعلیم نہیں تھی۔ اور نیز اسلیے کہ یہ بیماری جو تمام یہودیوں میں پھیل گئی تھی ایک پاک توحید کے نمونہ کو چاہتی تھی جو زندہ طور پر ایک کامل انسان میں نمودار ہو۔

یاد رہے کہ حقیقی توحید جس کا اقرار خدا ہمسے چاہتا ہے اور جس کے اقرار سے نجات وابستہ ہے یہ ہے کہ خدا تعالےٰ کو اپنی ذات میں ہر ایک شریک سے خواہ بت ہو خواہ انسان ہو خواہ سورج ہو یا چاند ہو یا اپنا نفس یا اپنی تدبیر اور مکر اور فریب ہو منزہ سمجھنا اور اُسکے مقابل پر کوئی قادر تجویز نہ کرنا کوئی رزاق نہ ماننا کوئی معزّ اور مذل خیال نہ کرنا کوئی ناصر اور مددگار قرار نہ دینا اور دوسرے یہ کہ اپنی محبت اُسی سے خاص کرنا۔ اپنی عبادت اُسی سے خاص کرنا۔

اپنا تذلل اُسی سے خاص کرنا۔ اپنی اُمیدیں اُسی سے خاصکرنا۔ اپنا خوف اُسی سے خاص کرنا۔ پس کوئی توحید بغیر ان تین قسم کی تخصیص کے کامل نہیں ہوسکتی۔ اوّل ذات کے لحاظ سے توحید یعنی یہ کہ اُسکے وجود کے مقابل پر تمام موجودات کو معدوم کیطرح سمجھنا اور تمام کو ہالکۃ الذات اور باطلۃ الحقیقت خیال کرنا۔ دوم صفات کے لحاظ سے توحید یعنی یہ ربوبیت اور الوہیت کی صفات بجز ذات باری کسی میں قرار نہ دینا۔ اور جو بظاہر رب الانواع یا فیض رساں نظر آتے ہیں یہ اُسی کے ہاتھ کا ایک نظام یقین کرنا۔ تیسرے اپنی محبت اور صدق اور صفا کے لحاظ سے توحید یعنی محبت وغیرہ شعار عبودیت میں دوسرے کو خدا تعالیٰ کا شریک نہ گرداننا اور اسی میں کھوے جانا۔ سو اس توحید کو جو تینوں شعبوں پر مشتمل اور اصل مدار نجات ہی یہود لوگ کھو بیٹھے تھے چنانچہ انکی بدچلنیاں اسبات پر صاف گواہی دیتی تھیں کہ اُن کے لبوں میں خدا کے ماننے کا دعویٰ ہے مگر دل میں نہیں۔ جیساکہ قرآن خود یہود و نصاریٰ کو ملزم کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر یہ لوگ توریت اور انجیل کو قائم کرتے تو آسمانی رزق بھی انھیں ملتا اور زمینی بھی۔ یعنی آسمانی خوارق عادت اور قبولیت دعا اور کشوف اور الہامات جو مومن کی نشانیاں ہیں انمیں پائی جاتیں جو آسمانی رزق ہے۔ اور زمینی رزق بھی ملتا مگر اب وہ آسمانی رزق سے بکلی بے نصیب ہیں اور زمین کا رزق بھی رو بحق ہو کر نہیں بلکہ رد دینا ہو کر حاصل کرتے ہیں۔ سو دونوں رزقوں سے محروم ہیں +

اب یہ بھی یاد رہے کہ قرآن کی تعلیم سے بیشک ثابت ہوتا ہے کہ یہود اور نصاریٰ سے لڑائیاں ہوئیں۔ مگر ان لڑائیوں کا ابتدا اہل اسلام کیطرف سے ہرگز نہیں ہوا اور یہ لڑائیاں اسلام میں جبراً داخل کرنیکے لیے ہرگز نہیں تھیں۔ بلکہ اُسوقت ہوئیں جبکہ خود اسلام کے مخالفوں نے آپ ایذا دیکر یا موذیوں کو مدد دیکر ان لڑائیوں کے اسباب پیدا کیے اور جب اسباب انھیں کی طرف سے پیدا ہوگئے تو غیرت الٰہی نے اُن قوموں کو سزا دینا چاہا اور اُس سزا میں بھی رحمت الٰہی نے یہ رعایت رکھی کہ اسلام میں داخل ہونے والا یا جزیہ دینے والا اُس عذاب سے بچ جاوے۔ یہ رعایت بھی خدا کے قانون قدرت کے مطابق تھی۔ کیونکہ ہر ایک مصیبت جو عذاب کیطور پر نازل ہوتی ہے مثلاً وبا یا قحط تو انسانوں کا کانشنس خود اسطرف متوجہ ہوجاتا ہے کہ وہ دعا اور توبہ اور تضرع اور صدقات اور خیرات سے اُس عذاب کو موقوف کرانا چاہیں چنانچہ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ اس سے یہ ثبوت ملتا ہے کہ رحیم خدا عذاب کو دور کرنے کے لیے خود الہام دلوں میں ڈالتا ہے۔ جیساکہ حضرت موسیٰ کی دعائیں کئی دفعہ منظور ہو کر بنی اسرائیل کے سر سے عذاب ٹل گیا۔ غرض اسلام کی لڑائیاں سخت طبع مخالفوں پر ایک عذاب تھا جس میں ایک

رحمت کا طریق بھی کہلاتا تھا سو یہ خیال کرنا دھوکا ہے کہ اسلام نے توحید کے شائع کرنے کے لیے لڑائیاں کیں۔ یاد رکھنا چاہیے کہ لڑائیوں کی بنیاد محض سزا دہی کے طور پر اُسوقت سے شروع ہوئی کہ جب دوسری قوموں نے ظلم اور مزاحمت پر کمر باندھی۔

رہا یہ سوال کہ یہودیوں کو مسلمان ہونے کی ضرورت کیا تھی وہ تو پہلے سے موحّد تھے؟ اس کا جواب ہم ابھی دے چکے ہیں کہ توحید یہودیوں کے دلوں میں قائم نہ تھی صرف کتابوں میں تھی اور وہ بھی ناقص۔ سو توحید کی زندہ روح حاصل کرنیکی ضرورت تھی کیونکہ جب تک توحید کی زندہ روح انسان کے دل میں قائم نہ ہو تب تک نجات نہیں ہو سکتی۔ یہودی مردوں کی طرح تھے اور باعث سخت دلی اور طرح طرح کی نافرمانیوں کے وہ زندہ روح انمیں سے نکل چکی تھی انکو خدا کے ساتھ کچھ بھی میلان باقی نہیں رہا تھا اور اُن کی توریت باعث نقصان تعلیم اور نیز بوجہ لفظی اور معنوی تحریفوں کے اس لائق نہیں رہی تھی جو کامل طور پر رہبر ہو سکے اسلیے خدا نے زندہ کلام تازہ بارش کیطرح اُتارا اور اُس زندہ کلام کی طرف اُنکو بلایا تا وہ طرح طرح کے دھوکوں اور غلطیوں سے نجات پاکر حقیقی نجات حاصل کریں۔ سو قرآن کے نزول کی ضرورتوں میں سے ایک یہ تھی کہ مردہ طبع یہودیوں کو زندہ توحید سکھاوے اور دوسرے یہ کہ تا انکی غلطیوں پر اُنکو متنبہ کرے اور تیسرے یہ کہ تا وہ مسائل کہ جو توریت میں محض اشارہ کی طرح بیان ہوئے تھے جیساکہ مسئلہ حشر اجساد اور مسئلہ بقاء روح اور مسئلہ بہشت و دوزخ اُن کے مفصل حالات سے آگاہی بخشے۔

یہ بات سچ ہے کہ سچائی کی تخم ریزی توریت سے ہوئی اور انجیل سے اُس تخم نے ایک آیندہ کی بشارت دینے والے کی طرح مُنہ دکھلایا اور جیسے ایک کھیت کا سبزہ پوری صحت اور عمدگی کر نکلتا ہے اور بزبان حال خوشخبری دیتا ہے کہ اسکے بعد اچھے پھل اور اچھے خوشے ظہور کرنیوالے ہیں ایسا ہی انجیل کامل شریعت اور کامل رہبر کے لیے خوشخبری کے طور پر آئی اور فرقان سے وہ تخم اپنے کمال کو پہونچا جو اپنے ساتھ اُس کامل نعمت کو لایا جسنے حق اور باطل میں کلّی فرق کر کے دکھلایا اور معارف دینیہ کو اپنے کمال تک پہونچایا جیساکہ توریت میں پہلے سے لکھا تھا کہ "خدا سینا سے آیا اور سعیر سے طلوع ہوا اور فاران کے پہاڑ سے اُن پر چمکا"۔ !!!

یہ بات بالکل ثابت شدہ امر ہے کہ شریعت کے ہر ایک پہلو کو کمال کی صورت میں صرف قرآن نے ہی دکھلایا ہے۔ شریعت کے بڑے حصے دو ہیں۔ حق اللہ۔ اور حق العباد۔ یہ دونوں حصے صرف قرآن شریف نے ہی پورے کیے ہیں۔ قرآن کا یہ منصب تھا کہ تا وحشیوں کو انسان بناوے اور انسان سے با اخلاق بناوے اور با اخلاق انسان سے با خدا انسان بنائے۔ سو اس منصب

کو اُس نے ایسے طور سے پورا کیا کہ جس کے مقابل پر توریت ایک گونگے کی طرح ہے۔
اور منجملہ قرآن کی ضرورتوں کے ایک یہ بھی امر تھا کہ جو اختلاف حضرت مسیح کی نسبت یہود اور نصاریٰ میں واقع تھا اُسکو دور کرے۔ سو قرآن شریف نے ان سب جھگڑوں کا فیصلہ کیا۔ جیساکہ قرآن شریف کی یہ آیت یَا عِیْسٰۤی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ الخ اسی جھگڑے کے فیصلہ کے لیے ہے۔ کیونکہ یہودی لوگ یہ خیال کرتے تھے کہ نصاریٰ کا نبی یعنی مسیح صلیب پر کھینچا گیا۔ اس لیے موافق حکم توریت کے وہ لعنتی ہوا اور اسکا رفع نہیں ہوا۔ اور یہ دلیل اُسکے کاذب ہونیکی ہے؛ اور عیسائیوں کا یہ خیال تھا کہ لعنتی تو ہوا مگر ہمارے لیے اور بعد اسکے لعنت جاتی رہی اور رفع ہوگیا اور خدا نے اپنے دہنے ہاتھ اُسکو بٹھایا۔ اب اس آیت نے یہ فیصلہ کیا کہ رفع بلا توقف ہوا نہ یہودیوں کے زعم پر ایسی لعنت ہوئی جو ہمیشہ کے لیے رفع الی اللہ سے مانع ہے اور نہ نصاریٰ کے زعم پر چند روز لعنت رہی اور پھر رفع الی اللہ ہوا بلکہ وفات کے ساتھ ہی رفع الی اللہ ہوگیا۔ اور ان ہی آیات میں خدا تعالیٰ نے یہ بھی سمجھا دیا کہ یہ رفع توریت کے احکام کے مخالف نہیں۔ کیونکہ توریت کا حکم عدم رفع اور لعنت اُس حالت میں ہے کہ جب کوئی صلیب پر مارا جاوے مگر صرف صلیب کے چھونے یا صلیب پر کچھ ایسی تکلیف اُٹھانے سے جو موت کی حد تک نہیں پہنچتی لعنت لازم نہیں آتی اور نہ عدم رفع لازم آتا ہے۔ کیونکہ توریت کا منشا یہ ہے کہ صلیب خدا تعالیٰ کیطرف سے جرائم پیشہ کی موت کا ذریعہ ہے پس جو شخص صلیب پر مر گیا وہ مجرمانہ موت مرا جو لعنتی موت ہے لیکن مسیح صلیب پر نہیں مرا اور اُسکو خدا نے صلیب کی موت سے بچا لیا بلکہ جیساکہ اُس نے کہا تھا کہ میری حالت یونس ؑ سے مشابہ ہے ایسا ہی ہوا نہ یونس مچھلی کے پیٹ میں مرا نہ یسوع صلیب کے پیٹ پر۔ اور اُسکی دعا ایلی ایلی لما سبقتانی سُنی گئی۔ اگر مرتا تو پیلاطوس پر بھی ضرور وبال آتا کیونکہ فرشتہ نے پیلاطوس کی جورو کو یہ خبر دی تھی کہ اگر یسوع مر گیا تو یاد رکھ کہ تم پر وبال آئے گا؛ مگر پیلاطوس پر کوئی وبال نہ آیا اور یہ بھی یسوع کے زندہ رہنے کی ایک نشانی ہے کہ اُسکی ہڈیاں صلیب کے وقت نہیں توڑی گئیں۔ اور صلیب پر سے اُتارنے کے بعد چھیدنے سے خون بھی نکلا اور اُس نے حواریوں کو صلیب کے بعد اپنے زخم دکھلائے۔ اور ظاہر ہے کہ نئی زندگی کے ساتھ زخموں کا ہونا ممکن نہ تھا۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ یسوع صلیب پر نہیں مرا اسلیے لعنتی بھی نہیں ہوا۔ اور بلاشبہ اُسنے پاک وفات پائی اور خدا کے تمام پاک رسولوں کیطرح موت کے بعد وہ بھی خدا کی طرف اُٹھایا گیا۔ اور بموجب وعدہ انی متوفیك ورافعك الیّ اُس کا خدا کیطرف

رفع ہوا۔ اگر وہ صلیب پر مرتا تو اپنے قول سے خود جھوٹھا ٹھہرتا کیونکہ اس صورت میں یونس کے ساتھ اُسکی کچھ بھی مشابہت نہ ہوتی +

سو یہی جھگڑا مسیح کے بارے میں یہود اور نصاریٰ میں چلا آتا تھا جسکو آخر قرآن شریف نے فیصلہ کیا۔ پھر ابھی تک نصاریٰ کہتے ہیں کہ قرآن کے اُترنے کی کیا ضرورت تھی۔ اے نادانو! اور دلوں کے اندھو! قرآن کامل توحید لایا۔ قرآن نے عقل اور نقل کو ملا کر دکھایا۔ قرآن نے توحید کو کمال تک پہونچایا۔ قرآن نے توحید اور صفات باری پر دلائل قائم کیے۔ اور خدا تعالےٰ کی ہستی کا ثبوت عقلی نقلی دلائل سے دیا۔ اور کشفی طور پر بھی دلائل قائم کیے۔ اور وہ مذہب جو پہلے قصہ کہانی کے رنگ میں چلا آتا تھا اُسکو عملی رنگ میں دکھلایا۔ اور ہر ایک عقیدہ کو حکمت کا جامہ پہنایا اور وہ سلسلہ معارف و بینیہ کا جو غیر مکمل تھا اُسکو کمال تک پہونچایا۔ اور یسوع کی گردن پر سے لعنت کا طوق اُتارا اور اُسکے مرفوع اور سچا ہونے کی شہادت دی۔ تو کیا اسقدر فیض رسانی کے ساتھ ابھی قرآن کی ضرورت ثابت نہ ہوئی +

یہ یاد رہے کہ قرآن نے بڑی صفائی سے اپنی ضرورت ثابت کی ہے۔ قرآن صاف کہتا ہے اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا۔ یعنی اسبات کو جان لو کہ زمین مر گئی تھی اور اب خدا نئے سرے اُسکو زندہ کرنے لگا ہے۔ تاریخ شہادت دیتی ہے کہ قرآن کے زمانہ قریب نزول میں ہر ایک قوم نے اپنا چال چلن بگاڑا ہوا تھا۔ پادری فنڈل مصنف میزان الحق باوجود اسقدر تعصب کے جو اُسکے رگ و ریشہ میں بھرا ہوا تھا میزان الحق میں صاف گواہی دیتا ہے کہ قرآن کے نزول کے زمانہ میں یہود و نصاریٰ کا چال چلن بگڑا ہوا تھا اور اُن کی حالتیں خراب ہو رہی تھیں اور قرآن کا آنا اُن کے لیے ایک تنبیہ تھی" مگر اس نادان نے باوجودیکہ یہ تو اقرار کیا کہ قرآن اُسوقت آیا جبکہ یہود و نصاریٰ کا چال چلن بہت خراب ہو رہا تھا لیکن پھر بھی یہ جھوٹھا عذر پیش کر دیا کہ خدا تعالےٰ کو ایک جھوٹا نبی بھیجکر یہود و نصاریٰ کو متنبہ کرنا منظور تھا۔ مگر یہ اللہ تعالےٰ پر تہمت ہے کیا ہم اللہ جل شانہ کیطرف یہ خراب عادت منسوب کر سکتے ہیں کہ اُسنے لوگوں کو گمراہی اور بد چلنی میں پا کر یہ تدبیر سوچی کہ اور بھی گمراہی کے سامان اُن کے لیے میسر کرے اور کروڑہا بندگان خدا کو اپنے ہاتھ سے تباہی میں ڈالے۔ کیا غلبۂ شدائد اور مصائب کے وقت خدا تعالیٰ کے قانون قدرت میں یہی عادت اُسکی ثابت ہوتی ہے؟ افسوس کہ یہ لوگ دنیا سے محبت کر کے کیسے آفتاب پر تھوک رہے ہیں۔ ایک ناچیز انسان کو خدا بھی کہتے ہیں اور پھر ملعون بھی۔ اور اُس عظیم الشان نبی کے وجود سے انکار کر رہے ہیں کہ جو ایسے وقت میں آیا جبکہ نوع انسان مردہ کیطرح ہو رہی تھی اور پھر کہتے ہیں کہ قرآن کی ضرورت کیا تھی۔

اے غافلو! اور دلوں کے اندھو! قرآن جیسے ضلالت کے طوفان کے وقت میں آیا ہے کوئی نبی ایسے وقت میں نہیں آیا۔ اُس نے دنیا کو اندھا پایا اور روشنی بخشی اور گمراہ پایا اور ہدایت دی اور مردہ پایا اور جان عطا فرمائی تو کیا ابھی ضرورت ثابت ہونے میں کچھ کسر رہ گئی؟ اور اگر یہ کہو کہ توحید تو پہلے بھی موجود تھی قرآن نے نئی چیز کونسی دی؟ تو اس سے اور بھی تمھاری عقل پر رونا آتا ہے میں ابھی لکھ چکا ہوں کہ توحید پہلی کتابوں میں ناقص طور پر تھی اور تم ہرگز ثابت نہیں کر سکتے کہ کامل تھی۔ ماسوا اسکے توحید دلوں سے بکلی گم ہو گئی تھی قرآن نے اُس توحید کو پھر یاد دلایا اور اُسکو کمال تک پہونچایا۔ قرآن کا نام اسی لیے ذکر ہے کہ وہ یاد دلانے والا ہے۔ ذرہ آنکھ کھول کر سوچو کہ کیا توریت نے جو کچھ توحید کے بارے میں بیان کیا تھا وہ ایک ایسی نئی بات تھی جو پہلے نبیوں کو اُسکی خبر نہیں تھی۔ کیا یہ سچ نہیں کہ سب سے پہلے آدمؑ کو اور پھر شیثؑ اور نوحؑ اور ابراہیمؑ اور دوسرے رسولوں کو جو موسیٰؑ سے پہلے آئے توحید کی تعلیم ملی تھی؟ پس یہ توریت پر بھی اعتراض ہے کہ اُس نے نئی چیز کونسی پیش کی۔ اے کج دل قوم خدا روز نیا نہیں ہو سکتا۔ موسیٰؑ کے وقت میں وہی خدا تھا جو آدمؑ اور شیثؑ اور نوحؑ اور ابراہیمؑ اور اسحٰقؑ اور یعقوبؑ اور یوسفؑ کے وقت میں تھا اور توریت نے وہی توحید کے بارے میں بیان کیا جو پہلے نبی کرتے آئے۔ اب اگر یہ سوال ہو کہ کیوں توریت نے اُسی پُرانی توحید کا ذکر کیا تو اس کا جواب یہی ہے کہ خدا کی ہستی اور وحدانیت کا مسئلہ توریت سے شروع نہیں ہوا بلکہ قدیم سے چلا آتا ہے۔ ہاں بعض زمانوں میں ترک عمل کیوجہ سے اکثر لوگوں کی نظر میں حقیر اور ذلیل ضرور ہوتا رہا ہے۔ پس خدا کی کتابوں اور خدا کے نبیوں کا یہ کام تھا کہ وہ ایسے وقتوں میں آتے رہے ہیں کہ جب اس مسئلہ توحید پر لوگوں کی توجہ کم رہ گئی رہی ہو اور طرح طرح کے شرکوں میں وہ مبتلا ہو گئے ہوں یہی مسئلہ دنیا میں ہزاروں دفعہ پھر زنگ خوردہ کی طرح ہو کر لوگوں کی نظروں سے چھپ گیا اور جب چھپ گیا تو پھر خدا نے اپنے کسی بندہ کو بھیجا تا نئے سرے اُسکو روشن کر کے دکھلاوے۔ اسی طرح دنیا میں کبھی ظلمت کبھی نور غالب آتا رہا۔ اور ہر ایک نبی کی شناخت کا یہ نہایت اعلیٰ درجہ کا معیار ہے کہ دیکھنا چاہیے کہ وہ کس وقت آیا اور کسقدر اصلاح اُسکے ہاتھ سے ظہور میں آئی چاہیے کہ حق طلبی کی راہ سے اسی بات کو سوچیں اور شریروں اور متعصب لوگوں کے پُرخیانت اقوال کی طرف توجہ نہ کریں اور ایک صاف نظر سے کسی نبی کے حالات کو دیکھیں کہ اُسنے ظہور فرما کر اس زمانہ کے لوگوں کو کس حالت میں پایا اور پھر اُس نے اُن لوگوں کے عقائد اور چال چلن پر کیا تبدیلی کر کے دکھلائی تو اس سے ضرور پتا لگ جائیگا کہ کون نبی اشد ضرورت کے وقت آیا اور کون اُس سے کمتر۔ نبی کی ضرورت گنہگاروں کے لیے بعینہٖ ایسی ہی ہوتی ہے جیسا کہ طبیب کی

مصنفہ ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء بروز دو شنبہ

ضرورت بیماروں کے لیے اور جیسا کہ بیماروں کی کثرت ایک طبیب کو چاہتی ہے ایسا ہی گنہگاروں کی کثرت ایک مصلح کو۔ اب اگر کوئی اس قاعدہ کو ذہن میں رکھکر عرب کی تاریخ پر نظر ڈالے کہ عرب کے باشندے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے پہلے کیا تھے اور پھر کیا ہو گئے تو بلاشبہ وہ اس نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کو قوت قدسی اور تاثیر قوی اور افاضہ برکات میں سب نبیوں سے اول درجہ پر سمجھے گا۔ اور اسی بنا پر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کی ضرورت کو دوسری تمام کتابوں اور نبیوں کی ضرورت سے بدیہی الثبوت یقین کرے گا۔ مثلاً یسوع نے دنیا میں آکر دنیا کی کس ضرورت کو پورا کیا ؟ اور اس کا ثبوت کیا ہے کہ اُسنے کوئی ضرورت پوری کی ؟ کیا یہودیوں کے اخلاق اور عادات اور ایمان میں کوئی بھاری تبدیلی کر دی یا اپنے حواریوں کو تزکیہ نفس میں کمال تک پہونچا دیا ؟ بلکہ ان پاک اصلاحوں میں سے کچھ بھی ثابت نہیں اور اگر کچھ ثابت ہے تو صرف یہی کہ چند آدمی طمع اور لالچ سے بھرے ہوے اُسکے ساتھ ہو گئے اور انجام کار انھوں نے بڑی قابل شرم بے وفائیاں دکھلائیں اور اگر یسوع نے خودکشی کی تو میں اس سے زیادہ ہرگز تسلیم نہیں کروں گا کہ ایک ایسی بیوقوفی کی حرکت اُس سے صادر ہوئی جس سے اُسکی انسانیت اور عقل پر ہمیشہ کے لیے داغ لگ گیا ایسی حرکت جسکو انسانی قوانین بھی ہمیشہ جرائم کے نیچے داخل کرتے ہیں کیا کسی عقلمند سے صادر ہو سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ پس ہم پوچھتے ہیں کہ یسوع نے کیا سکھلایا اور کیا دیا ؟ کیا وہ لعنتی قربانی جس کا عقل اور انصاف کے نزدیک کوئی بھی نتیجہ معلوم نہیں ہوتا۔

یاد رہے کہ انجیل کی تعلیم میں کوئی نئی خوبی نہیں بلکہ یہ سب تعلیم توریت میں پائی جاتی ہے اور اسکا ایک بڑا حصہ یہودیوں کی کتاب طالمود میں اب تک موجود ہے اور یہودی فاضل اب تک روتے ہیں کہ ہماری پاک کتابوں سے یہ فقرے چُرائے گئے ہیں۔ چنانچہ حال میں جو ایک فاضل یہودی کی کتاب میرے پاس آئی ہے اُس نے اسی بات کا ثبوت دینے کے لیے کئی ورق لکھے ہیں اور بڑے زور سے اسناد پیش کیے ہیں کہ یہ فقرات کہاں کہاں سے چُرائے گئے۔ میںنے یہ کتابیں صرف میاں سراج الدین کے لیے منگوائی تھیں۔ مگر انکی بدقسمتی ہے کہ وہ دیکھنے سے پہلے چلے گئے محقق عیسائی اسبات کو قبول کرتے ہیں کہ درحقیقت انجیل یہودیوں کی کتابوں کے اُن مضامین کا ایک خلاصہ ہے جو حضرت مسیح کو پسند آئے۔ لیکن بالآخر یہ کہتے ہیں کہ مسیح کے دنیا میں آنے سے یہ غرض نہیں تھی کہ کوئی نئی تعلیم لاوے بلکہ اصل مطلب تو اپنے وجود کی قربانی دینا تھا یعنی وہی لعنتی قربانی جسکے بار بار کے تذکرے میں اس رسالہ کو پاک رکھنا چاہتا ہوں۔ غرض عیسائیوں کو یہ دھوکا لگا ہوا ہے کہ شریعت توریت تک مکمل ہو چکی اسلیے یسوع کوئی شریعت لیکر نہیں آیا۔

بلکہ نجات دینے کے سامان لیکر آیا اور قرآن نے ناحق ایسی شریعت کی بنیاد ڈالدی جو پہلے مکمل ہو چکی تھی یہی دھوکا عیسائیوں کے ایمان کو کھا گیا ہے مگر یاد رہے کہ یہ بات بالکل صحیح نہیں ہے بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ چونکہ انسان سہو و نسیان سے مرکب ہے اور نوع انسان میں خدا کے احکام عملی طور پر ہمیشہ قائم نہیں رہ سکتے اسلیے ہمیشہ نئے یاد دلانے والے اور قوت دینے والی کی ضرورت پڑتی ہے۔ لیکن قرآن شریف صرف انھی دو ضرورتوں کی وجہ سے نازل نہیں ہوا بلکہ وہ پہلی تعلیموں کا درحقیقت متمم اور مکمل ہے مثلاً توریت کا زور حالات موجودہ کے لحاظ سے زیادہ تر قصاص پر ہے اور انجیل کا زور حالات موجودہ کے لحاظ سے عفو اور صبر اور درگذر پر ہے اور قرآن ان دونوں صورتوں میں محل شناسی کی تعلیم دیتا ہے۔ ایسا ہی ہر ایک باب میں توریت افراط کی طرف گئی ہے اور انجیل تفریط کیطرف اور قرآن شریف وسط کی تعلیم کرتا اور محل اور موقعہ کا سبق دیتا ہے گو نفس تعلیم تینوں کتابوں کا ایک ہی ہے مگر کسی نے کسی پہلو کو شدومد کے ساتھ بیان کیا اور کسی نے کسی پہلو کو اور کسی نے فطرت انسانی کے لحاظ سے درمیانہ راہ لیا جو طریق تعلیم قرآن ہے اور چونکہ محل اور موقعہ کا لحاظ رکھنا ہی حکمت ہے سو اس حکمت کو صرف قرآن شریف نے سکھایا ہے۔ توریت ایک بیہودہ سختی کیطرف کھینچ رہی ہے * اور انجیل ایک بیہودہ عفو پر زور دے رہی ہے اور قرآن شریف وقت شناسی کی تاکید کرتا ہے پس جسطرح پستان میں آکر خون دودھ بنجاتا ہے اسیطرح توریت اور انجیل کے احکام قرآن میں آکر حکمت بنگئے ہیں۔ اگر قرآن شریف نہ آیا ہوتا تو توریت اور انجیل اُس اندھے کے تیر کیطرح ہوتیں کہ کبھی ایک آدھ دفعہ نشانہ پر لگ گیا اور سو دفعہ خطا گیا۔ غرض شریعت فصوں کیطور پر توریت سے آئی اور مثالوں کی طرح انجیل سے ظاہر ہوئی اور حکمت کے پیرایہ میں قرآن شریف سے حق اور حقیقت کے طالبوں کو ملی ؛

سو توریت اور انجیل قرآن کا کیا مقابلہ کرینگے۔ اگر صرف قرآن شریف کی پہلی سورۃ کے ساتھ ہی مقابلہ کرنا چاہیں یعنی سورۃ فاتحہ کے ساتھ جو فقط سات آیتیں ہیں اور جس ترتیب انسب اور ترکیب محکم اور نظام فطرتی سے اس سورۃ میں صدہا حقائق اور معارف دینیہ اور روحانی حکمتیں درج ہیں انکو موسیٰ کی کتاب یا یسوع کے چند ورق انجیل سے نکالنا چاہیں تو گو ساری عمر کوشش کریں تب بھی یہ کوشش لاحاصل ہوگی اور یہ بات لاف و گذاف نہیں ہے بلکہ واقعی اور حقیقی یہی بات ہے کہ توریت اور انجیل کو علوم حکمیہ میں سورۃ فاتحہ کے ساتھ بھی مقابلہ کرنیکی طاقت نہیں۔ ہم کیا کریں اور کیونکر فیصلہ ہو پادری صاحبان ہماری کوئی بات بھی نہیں مانتے۔ بھلا اگر وہ اپنی توریت یا انجیل کو معارف اور حقائق کے بیان کرنے

* یہ سختی اور نرمی اپنے اپنے زمانہ اور قوم کی موجودہ حالت کے لحاظ سے مناسب تعلیم تھی مگر حقیقی تعلیم نہیں تھی جو قابل ترک نہ ہو۔ منہ

اور خواص کلام الوہیت ظاہر کرنے میں کامل سمجھتے ہیں تو ہم بطور انعام پانسو روپیہ نقد انکو دینے کے لیے طیار ہیں اگر وہ اپنی کل ضخیم کتابوں میں سے جو شتر کے قریب ہونگی وہ حقائق اور معارف شریعت اور مرتب اور منظم اور حکمت و جواہر معرفت و خواص کلام الوہیت دکھلا سکیں جو سورہ فاتحہ میں سے ہم پیش کریں - اور اگر یہ روپیہ تھوڑا ہو تو جسقدر ہمارے لیے ممکن ہوگا ہم انکی درخواست پر بڑھا دینگے - اور ہم صفائی فیصلہ کے لیے پہلے سورۂ فاتحہ کی ایک تفسیر طیار کر کے اور چھاپکر پیش کرینگے اور اسمیں وہ تمام حقائق و معارف و خواص کلام الوہیت بتفصیل بیان کرینگے جو سورۂ فاتحہ میں مندرج ہیں اور پادری صاحبوں کا یہ فرض ہوگا کہ توریت اور انجیل اور اپنی تمام کتابوں میں سے سورۂ فاتحہ کے مقابل پر حقائق اور معارف اور خواص کلام الوہیت جس سے مراد فوق العادت عجائبات ہیں جنکا بشری کلام میں پایا جانا ممکن نہیں پیش کر کے دکھلائیں - اور اگر وہ ایسا مقابلہ کریں اور تین منصف غیر قوموں میں سے کہدیں کہ وہ لطائف اور معارف اور خواص کلام الوہیت جو سورۂ فاتحہ میں ثابت ہوئے ہیں وہ ان کی پیش کردہ عبارتوں میں بھی ثابت ہیں تو ہم پانسو روپیہ جو پہلے سے انکے لیے ان کی اطمینان کی جگہ پر جمع کرایا جائے گا دیدینگے +

اب کیا کسی پادری کا حوصلہ ہے جو ایسا مقابلہ کرے ؟ خدا کا کلام خدا کی طاقتوں سے ثابت ہوتا ہے جیسا کہ اسکی مصنوعات عجائب قدرۃ سے ثابت ہوتی ہیں مثلاً آسمان پر ہزاروں ستارے ہیں اب اگر کوئی بیوقوف چند ستاروں کی طرف اشارہ کر کے کہدے کہ انکی کیا ضرورت ہے لہذا یہ خدا تعالے کیطرف سے نہیں ہیں یا چند بوٹیوں یا پتھروں یا جانوروں کا نام لیکر کہدے کہ ان کے وجود کے بغیر دوسری بوٹیوں وغیرہ سے کام چل سکتا ہے اسلیے یہ خدا تعالے کیطرف سے نہیں ہیں تو ایسا قائل بجز دیوانہ یا احمق کے اور کون ہو سکتا ہے +

یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ قرآن اُن تمام کمالات کا جامع ہے جنکی انسان کو تکمیل نفس کے لیے حاجت ہے - اور توریت کی قرآن کے ساتھ یہ مثال ہے کہ جیسے ایک مسافرخانہ تھا وہ بڑی بڑی آندھیوں اور زلزلوں کے باعث سے گر پڑا اور بجائے اس مسافرخانہ کے ایک اینٹوں کا ڈھیر لگ گیا اور پاخانہ کی اینٹیں باورچیخانہ میں اور باورچیخانہ کی پاخانہ میں جا پڑیں اور سب مکان زبر و زبر ہو گیا - پس اس سرائے کے مالک کو مسافروں کے حال پر رحم آیا سو اسنے فی الفور بجائے اس مسافرخانہ کے ایک ایسا عمدہ اور آرام بخش مسافرخانہ طیار کیا جو اس پہلے سے بہتر اور مسافروں کے لیے نہایت آرام بخش مکانات اپنے اپنے قرینہ سے اسمیں موجود تھے اور کسی ضرورت کے مکان کی کمی نہیں تھی - اور مالک نے اس آخر الذکر مسافرخانہ کی تعمیر میں کچھہ تو وہی

اینٹیں پہلے مسافر خانہ کی لے لیں اور کچھ زیادہ اینٹیں اور لکڑی وغیرہ مصالح بہم پہونچایا جو عمارت کو کامل طور پر کافی ہو سکتا تھا۔ سو قرآن شریف وہی دوسرا مسافر خانہ ہے جسکی اکھیں ہوں دیکھے۔ ۱۱ اسجگہ یہ اعتراض بھی دور کر دینے کے قابل ہے کہ جس حالت میں حقیقی اور کامل تعلیم یہی ہے جسمیں محل اور موقعہ کی رعایت اور ہر ایک نکتہ معرفت کا اسی کے ساتھ بیان ہو تو کیا سبب ہے کہ توریت اور انجیل دونوں اس سے خالی ہیں اور قرآن نے ان دونوں باتوں کو کمال تک پہنچایا تو اس کا جواب یہی ہے کہ یہ توریت اور انجیل کا قصور نہیں ہے بلکہ قوموں کی استعداد کا قصور ہے یہودی لوگ جنسے پہلے حضرت موسیٰ کو واسطہ پڑا وہ چار سو برس تک فرعون کی غلامی میں رہے تھے اور ایک مدت دراز تک ظلم کے تختۂ مشق رہ کر عدل اور انصاف کی حقیقت سے بیخبر ہو گئے تھے یہ ایک فطرتی قاعدہ ہے کہ اگر بادشاہ وقت جو مؤدب اور آموزگار کے حکم میں ہوتا ہے عادل ہو تو رعایا کے دلپر عدل کا پرتوہ پڑتا ہے اور طبعاً وہ بھی خلق عدل کیطرف مائل ہو جاتے ہیں اور تہذیب اور شایستگی ان میں پیدا ہو کر عادلانہ صفات اپنا جلوہ دکھاتی ہیں لیکن اگر بادشاہ ظالم ہو تو رعایا بھی اس سے ظلم اور تعدی کا سبق سیکھتی ہے اور ان کی صفت عدل سے محروم ہوتی ہے۔ پس یہی حال بنی اسرائیل کا ہوا کہ وہ لوگ ایک مدت دراز تک فرعون جیسے ظالم بادشاہ کی رعایا رہ کر اور طرح طرح کے ظلم اٹھا کر عدل کی کیفیت سے بالکل غافل ہو گئے۔ سو حضرت موسیٰؑ کا فرض یہ تھا کہ انکو سب سے پہلے عدل کا سبق دیں۔ اسلیے توریت میں عدل کی حفاظت کے لیے بڑے شد و مد سے آیات پائی جاتی ہیں۔ ہاں رحم کی آیات کا بھی توریت میں پتہ ملتا ہے۔ لیکن اگر غور سے دیکھو تو ایسی آیتیں بھی عدل کے حدود کی نگہداشت کے لیے اور ناجائز جذبات اور بیجا کینوں کے روکنے کے لیے بیان فرمائی گئی ہیں۔ اور ہر جگہ اصل مدعا قوانین عدل اور انصاف کی نگہداشت ہے۔ لیکن انجیل پڑھنے سے یہ مدعا معلوم نہیں ہوتا ہے بلکہ انجیل میں عفو اور ترک انتقام پر بہت زور دیا گیا ہے اور جب ہم انجیل کو تدبر اور عمیق نگاہ سے دیکھتے ہیں تو اس کے سلسلہ عبارت سے صاف مترشح ہوتا ہے کہ اس کتاب کا لکھنے والا اپنے مخاطبین کی نسبت یہ یقین رکھتا ہے کہ وہ لوگ طریق مروت اور صبر اور ترک انتقام سے بالکل دور اور مہجور ہیں اور چاہتا ہے کہ ان کے ایسے دل ہو جائیں کہ انتقام لینے کے حریص نہ ہوں اور صبر اور برداشت اور عفو اور درگذر اپنی عادت کریں۔ اسکا یہی سبب ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وقت میں یہودیوں کی اخلاقی حالت میں بہت فتور آ گیا تھا اور بغض معاندی اور کینہ کشی میں انتہا تک پہونچ گئے تھے اور اس بہانہ سے کہ ہم قانون عدل کے حامی ہیں رحم اور درگذر کی خصلتیں بالکل انمیں سے دور ہو گئی تھیں۔ سو انجیل کی تصنیفیں قانون

مختص الزمان کی طرح یا قانون مختص القوم کی طرح انکو ستائی گئی تھیں ۔ مگر یہ واقعی قانون کی تصویر نہ تھی اس لیے قرآن نے آکر اسکو دور کر دیا +

جسوقت ہم قرآن کو غور سے دیکھتے ہیں اور صاف دل سے اُسکے مقصد کے گہراؤ تک چلے جاتے ہیں تو ہمیں صاف دکھائی دیتا ہے کہ قرآن نے نہ توریت کیطرح انتقام اور سختی پر ایسا زور ڈالا ہے کہ جیساکہ توریت کی لڑائیوں اور قانون قصاص سے ثابت ہوتا ہے اور نہ انجیل کیطرح یکدفعہ عفو اور صبر اور درگذر کی تعلیم پر گر پڑا ہے بلکہ بار بار امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم دیتا ہے کہ جو امر عقل اور شرع کے روسے بہتر اور محل پر ہو اسکو بجا لاؤ اور جسپر عقل اور شرع کا اعتراض ہو اور منکرات میں سے ہو اُس سے دست بردار ہو جاؤ ۔ سو قرآن کے دیکھنے سے ایسا پایا جاتا ہے کہ وہ اپنے قوانین اور حدود اور اوامر کو علم کے رنگ میں ہمارے دلوں میں جمانا چاہتا ہے کیونکہ وہ شخص امر اور نہی کے زندان میں ہمیں محبوس کرنا نہیں چاہتا بلکہ اپنی پاک شریعت کو قواعد کلیہ کے طور پر بیان کر دیتا ہے ۔ مثلاً وہ ایک کلام کلی کے طور پر حکم فرماتا ہے کہ تم معروف کو بجا لاؤ اور منکر سے دستکش ہو جاؤ ۔ سو یہ دو کلمے یعنی معروف اور منکر ایسے جامع کلمے ہیں جو شریعت کے قوانین کو علمی رنگ لے آتے ہیں اور اس تعلیم سے ہر ایک محل میں یہ سوچنا پڑتا ہے کہ حقیقی نیکی کیا ہے ۔ مثلاً اسوقت جو زید نے ہمارا ایک گناہ کیا ہے تو اُسکو مارنا بہتر ہے یا عفو کرنا ۔ اور ایک سائل جو ہمسے مثلاً ہزار روپیہ اس غرض سے مانگتا ہے کہ وہ اس روپیہ سے اپنے لڑکے کی دھوم دھام سے شادی کرے اور آتشبازی اور گانے والی عورتیں اور دوسرے باجوں کے ساتھ اپنے خاندان کی رسوم کے موافق اس رسم کو ادا کرے تو گو ہم ہزار روپیہ اسکو دیسکتے ہیں مگر ہمیں امر معروف اور نہی منکر کے قاعدہ کے لحاظ سے سوچ لینا چاہیے کہ ایسی سخاوت سے ہم کس شخص کی مدد کرتے ہیں غرض اسیطرح قرآن نے ہمارے دین اور دنیا کی بہبودی کے لیے ہمارے ہر ایک کارخیر میں محل اور موقعہ کی قید لگا دی ۔

اب میں میاں **سراج الدین** صاحب کے سوال دوم کا پورا جواب دیچکا ہوں اور اسلام کے مخالف خود اپنی شرارتوں سے لڑائیوں کے محرک ہوے ۔ بعض نے مسلمانوں کے قتل کرنے کے لیے خود پہلے پہل تلوار اُٹھائی بعض نے انکی مدد کی ۔ بعض نے اسلام کی تبلیغ روکنے کے لیے بیجا مزاحمت کی ۔ سو ان تمام موجبات کیوجہ سے مفسدین کی سرکوبی اور سزا اور شر کی مدافعت کے لیے خدا تعالیٰ نے انھیں مفسدوں کے مقابل لڑائیوں کا حکم کیا ۔ اور یہ کہنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرہ برس تک اسوجہ سے مخالفوں سے لڑائی نہیں کی کہ اُسوقت تک پوری جمعیت حاصل نہیں ہوئی تھی یہ محض ظالمانہ اور مفسدانہ خیال ہے ۔ اگر صورت حال یہ

ہوتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف تیرہ برس تک اُن ظلموں اور خونریزیوں سے باز رہتے جو مکہ میں اُنسے ظہور پذیر ہوئے اور پھر آپ منصوبہ کرکے یہ تجویز نہ کرتے کہ یا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دینا چاہیے اور یا وطن سے نکالدینا چاہیے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہی بغیر حملہ مخالفین کے مدینہ کی طرف چلے جاتے تو ایسی بدظنیونکی کوئی جگہ بھی ہوتی لیکن یہ واقعہ تو ہمارے مخالفوں کو بھی معلوم ہے کہ تیرہ برس کے عرصہ میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم دشمنونکی ہر ایک سختی پر صبر کرتے رہے اور صحابہ کو سخت تاکید تھی کہ بدی کا مقابلہ نہ کیا جاوے چنانچہ مخالفوں نے بہت سے خون بھی کیے اور غریب مسلمانونکو زدوکوب کرنے اور خطرناک زخم پہونچانے کا تو کچھہ شمار نہ رہا آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کرنیکے لیے حملہ کیا۔ سو ایسے حملہ کے وقت خدا نے اپنے نبی کو شر اعدا سے محفوظ رکھکر مدینہ پہونچا دیا۔ اور خوشخبری دی کہ جنھوں نے تلوار اُٹھائی وہ تلوار ہی سے ہلاک کیے جائینگے۔ پس ذرا عقل اور انصاف سے سوچو کہ کیا اس روئداد سے یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھہ جمعیت لوگوں کی ہوگئی تو پھر لڑائی کی نیت جو پہلے دلمیں پوشیدہ تھی ظہور میں آئی؟ افسوس ہزار افسوس! کہ تعصب مذہبی کے رو سے عیسائی دین کے حامیوں کی کہانتک نوبت پہونچ گئی ہے۔ یہ بھی نہیں سوچتے کہ مدینہ میں جاکر مکہ والوں کے مخالف کیوقت بدر کی لڑائی جو اسلام کی پہلی لڑائی ہے تو کونسی جمعیت پیدا ہوگئی تھی۔ اُسوقت تو کل تین سو تیرہ آدمی مسلمان تھے اور وہ اکثر نو عمر ناتجربہ کار جو میدان بدر میں حاضر ہوئے تھے۔ پس سوچنے کا مقام ہے کہ کیا اسقدر آدمیوں پر بھروسہ کرکے عرب کے تمام بہادروں اور یہود اور نصاریٰ اور لاکھوں انسانوں کی سرکوبی کے لیے میدان میں کسی کا نکلنا عقل فتویٰ دیسکتی ہے؟!!! اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ نکلنا اُن تدبیروں اور ارادوں کا نتیجہ نہیں تھا جو انسان دشمنوں کے ہلاک کرنے اور اپنی فتحیابی کے لیے سوچتا ہے۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو کم سے کم نبیس چالیس ہزار فوج کی جمعیت حاصل کرلینا ضروری تھا اور پھر اس کے بعد لاکھوں انسانوں کا مقابلہ کرنا۔ لہذا صاف ظاہر ہے کہ یہ لڑائی مجبوری کے وقت خدا تعالیٰ کے حکم سے ہوئی تھی نہ ظاہری سامان کے بھروسہ پر۔ اسجگہ ایک اور اعتراض کو دفع کرنا بھی ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر مدار نجات توحید اور اعمال صالحہ ہیں جو خدا کی محبت اور خوف سے ظہور پذیر ہوں تو یہودیوں کو کیوں اسلام کیطرف بُلایا گیا کیا یہود تو نہیں ایک بھی ایسا آدمی باقی نہیں رہا تھا جو عملی طور پر توحید کا پابند اور خدا کی اطاعت کا جوا اپنی گردن پر رکھتا ہو؟ اسکا جواب یہ ہے کہ ہم ثابت کرچکے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کیوقت اکثر یہود اور نصاریٰ فاسق تھے جیساکہ قرآن شریف صاف

گواہی دیتا ہے وَاَکْثَرُھُمْ فَاسِقُوْنَ۔ پس جبکہ اکثر لوگ انمیں فاسق تھے جنھوں نے عملی طور پر توحید کے آداب اور اعمال صالحہ کو چھوڑ دیا تھا اسلیے خدا کے رحم نے انکی اصلاح کے لیے اپنی سنت قدیمہ کے موافق یہی تقاضا کیا کہ انکی طرف رسول بھیجے ۔ پھر اگر فرض بھی کرلیں کہ انمیں کوئی شاذ و نادر موحد اور صالح تھا سو وہ خدا کے رسول سے سرکش رہ کر صالح نہ رہا اور جبکہ ادنیٰ گناہ انسان کے دلکو سیاہ کر دیتا ہے تو پھر کیونکر باور کیا جائے کہ خدا کے رسول کی نافرمانی کرنیوالا اور اُس سے عداوت رکھنے والا پاکدل رہ سکتا ہے؟

تیسرا سوال قرآن میں انسان اور خدا کے ساتھ محبت کرنیکے بارہمیں اور خدا کی انسان کے ساتھ محبت کرنیکے بارہمیں کونسی آیتیں ہیں جنمیں خاص محبت یا حبّ کا فعل استعمال کیا گیا ہے

الجواب ۔ واضح ہو کہ قرآن کی تعلیم کا اصل مقصد یہی ہے کہ خدا جیسا کہ واحد لاشریک ہے ایسا ہی اپنی محبت کے رو سے بھی اُسکو واحد لاشریک ٹھہراؤ۔ جیسا کہ کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ جو ہر وقت مسلمانوں کے ورد زبان رہتا ہے اُسی کیطرف اشارہ کرتا ہے کیونکہ اِلٰہ ۔ وَلَاہ سے مشتق ہے اور اسکے معنے ہیں ایسا محبوب اور معشوق جسکی پرستش کیجائے یہ کلمہ نہ توریت نے سکھلایا اور نہ انجیل نے ۔ صرف قرآن نے سکھلایا ۔ اور یہ کلمہ اسلام سے ایسا تعلق رکھتا ہے کہ گویا اسلام کا نمونہ ہے یہی کلمہ پانچوقت مساجد کے مناروں پر بلند آواز سے کہا جاتا ہے جس سے عیسائی اور ہندو سب چڑتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کو محبت کے ساتھ یاد کرنا انکے نزدیک گناہ ہے ۔ یہ اسلام ہی کا خاصہ ہے کہ صبح ہوتے ہی اسلامی مؤذن بلند آواز سے کہتا ہے کہ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ کوئی ہمارا پیارا اور محبوب اور معبود بجز اللہ کے نہیں ۔ پھر دوپہر کے بعد بھی یہی آواز اسلامی مساجد سے آتی ہے پھر عصر کو بھی یہی آواز اور پھر عشاء کو بھی یہی آواز گونجتی ہوئی آسمان کی طرف چڑھجاتی ہے ۔ کیا دنیا میں کسی اور مذہب میں بھی یہ نظارہ دکھائی دیتا ہے؟!! پھر مغرب کو بھی یہی آواز

پھر بعد اسکے لفظ اسلام کا مفہوم بھی محبت پر ہی دلالت کرتا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کے آگے اپنا سر رکھدینا اور صدق دلسے قربان ہونیکے لیے طیار ہوجانا جو اسلام کا مفہوم ہے یہ عملی حالت ہے جو محبت کی سرچشمہ سے نکلتی ہے ۔ اسلام کے لفظ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قرآن نے صرف قولی طور پر محبت کو محدود نہیں رکھا بلکہ عملی طور پر بھی محبت اور جانفشانی کا طریق سکھایا ہے ۔ دنیا میں کونسا دین ہے جسکے بانی نے اُس کا نام اسلام رکھا ہے؟ اسلام نہایت پیارا لفظ ہے اور صدق اور اخلاص اور محبت کے معنے کوٹ کوٹ کر اسمیں بھرے ہوئے ہیں ۔ پس مبارک وہ مذہب جس کا نام اسلام ہے ایسا ہی خدا کی محبت کے بارہمیں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ یعنی ایماندار وہ ہیں جو سب سے زیادہ خدا سے محبت رکھتے ہیں ۔ پھر ایک جگہ فرماتا ہے فَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَذِکْرِکُمْ اٰبَآءَکُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِکْرًا

یعنی خدا کو ایسا یاد کرو جیسا کہ تم اپنے باپوں کو یاد کرتے تھے بلکہ اس سے زیادہ اور سخت درجہ کی محبت کے ساتھ یاد کرو۔ اور پھر ایک جگہ فرماتا ہے قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ یعنی انکو جو تیری پیروی کرنا چاہتے ہیں یہ کہدے کہ میری قربانی اور میرا مرنا اور میرا زندہ رہنا سب اللہ کیلئے ہے یعنی جو میری پیروی کرنا چاہتا ہے وہ بھی اس قربانی کو ادا کرے اور پھر ایک جگہ فرمایا کہ اگر تم اپنی جانوں اور پیارے دوستوں اور اپنے باغوں اور اپنی تجارتوں کو خدا اور اسکے رسول سے زیادہ پیاری چیزیں جانتے ہو تو الگ جاؤ جبتک خدا تعالیٰ فیصلہ کرے اور ایسا ہی ایک جگہ فرمایا وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّہٖ مِسْکِیْنًا وَّیَتِیْمًا وَّاَسِیْرًا۔ اِنَّمَا نُطْعِمُکُمْ لِوَجْہِ اللّٰہِ لَا نُرِیْدُ مِنْکُمْ جَزَآءً وَّلَا شُکُوْرًا + یعنی مومن وہ ہیں جو خدا کی محبت سے مسکینوں اور یتیموں اور اسیروں کو کھانا کھلاتے ہیں اور انہیں کہتے ہیں کہ محض خدا کی محبت اور اسکے منہ کیلئے تمھیں دیتے ہیں ہم تمسے کوئی بدلہ نہیں چاہتے اور نہ شکر گذاری چاہتے ہیں +

غرض قرآن شریف ایسی آیتوں سے بھرا پڑا ہے جہاں لکھا ہے کہ اپنے قول اور فعل کے رو سے خدا کی محبت دکھلاؤ اور سب سے زیادہ خدا سے محبت کرو۔ لیکن اس سوال کی یہ دوسری جز کہ قرآن شریف میں کہاں لکھا ہے کہ خدا بھی انسانوں سے محبت کرتا ہے؟ پس واضح ہو کہ قرآن شریف میں یہ آیات بکثرت موجود ہیں کہ خدا توبہ کرنیوالوں سے محبت کرتا ہے اور خدا نیکی کرنیوالوں سے محبت کرتا ہے۔ ہاں قرآن شریف میں یہ کہیں نہیں کہ جو شخص کفر اور بدکاری اور ظلم سے محبت کرتا ہے خدا اُس سے بھی محبت کرتا ہے۔ بلکہ اُسجگہ اُسنے احسان کا لفظ استعمال کیا ہے۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ یعنی تمام دنیا پر رحم کرکے ہمنے تجھے بھیجا ہے اور عالمین میں کافر اور بے ایمان اور فاسق اور فاجر بھی داخل ہیں اور اُنکے لیے رحم کا دروازہ اسطرح پر کھولا کہ وہ قرآن شریف کی ہدایتوں پر چلکر نجات پا سکتے ہیں۔ میں اس بات کا بھی اقرار کرتا ہوں کہ قرآن شریف میں خدا کی محبت انسانوں سے اس قسم کی بیان نہیں کیگئی کہ اُسنے کوئی اپنا بیٹا بدکاروں کی گناہوں کی بدلہ میں سولی دلوایا اور انکی لعنت اپنی پیارے بیٹے پر ڈالدی۔ خدا کے بیٹے پر لعنت نعوذ باللہ خود خدا پر لعنت ہے کیونکہ۔ کیونکہ باپ اور بیٹا دو نہیں ہیں اور ظاہر ہے کہ لعنت اور خدائی ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں پھر یہ بھی سوچو کہ خدا نے دنیا کے بدکاروں سے یہ کیسی محبت کی کہ نیک کو مارا اور بُرے سے پیار کیا یہ ایسا خلق ہے جسکی کوئی راستباز پیروی نہیں کر سکتا۔ اور اس سوال کی تیسری جُز یہ ہے کہ قرآن شریف میں یہ کہاں لکھا ہے کہ انسان انسان کے ساتھ محبت کرے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ قرآن نے اسجگہ بجای محبت کے رحم اور ہمدردی کا لفظ لیا ہے کیونکہ محبت کا انتہا عبادت ہی اسلیے محبت کا لفظ حقیقی طور پر خدا سے خاص ہے * اور نوع انسان کے لیے بجائے محبت کے خدا کے کلام میں رحم اور احسان کا لفظ آیا ہے کیونکہ کمال محبت پرستش کو چاہتا ہی اور کمال رحم ہمدردی کو چاہتا ہے۔ اس فرق کو غیر قوموں نے نہیں سمجھا۔ اور خدا کا حق غیروں کو دیا۔ میں یقین نہیں رکھتا کہ یسوع کے منہ سے ایسا مشرکانہ لفظ نکلا ہو بلکہ میرا گمان ہے کہ پیچھے سے یہ مکروہ الفاظ انجیل میں ملائے گئے ہیں۔

+ خدا کی محبت انسان کی محبت کیطرح نہیں جسمیں یہ داخل ہے کہ جدائی سے درد اور تکلیف ہو بلکہ خدا کی محبت سے مراد یہ ہے کہ وہ نیکی کرنیوالوں کے ساتھ ایسا پیش آتا ہے جیسا کہ محب پیش آتا ہے۔ منہ

* محبت کا لفظ جہاں کہیں باہم انسانوں کی نسبت آیا بھی ہو اس سے درحقیقت حقیقی محبت مراد نہیں ہے بلکہ اسلامی تعلیم کے رو سے حقیقی محبت صرف خدا سے خاص ہے اور دوسری محبتیں غیر حقیقی اور مجازی طور پر ہیں۔ منہ

اور پھر ناحق یسوع کو بدنام کیا گیا۔ غرض خدا کی پاک کلام میں بنی نوع کے لیے رحم کا لفظ آیا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے تواصوا بالحق و تواصوا بالمرحمۃ یعنی مومن وہ ہیں جو حق اور رحم کی وصیت کرتے ہیں۔ اور پھر دوسری جگہ فرماتا ہے ان اللہ یامر بالعدل والاحسان و ایتاء ذی القربٰی یعنے خدا کا یہ حکم ہے کہ تم عام لوگوں کے ساتھ عدل کرو۔ اور اس سے بڑھکر یہ ہے کہ تم بنی نوع سے ایسی ہمدردی بجا لاؤ جیسا کہ ایک قریبی کو اپنے قریبی کے ساتھ ہوتی ہے۔

اب سوچنا چاہیے کہ اس سے زیادہ دنیا میں اور کونسی اعلیٰ تعلیم ہوگی جسمیں تمام بنی نوع کے ساتھ نیکی کرنا صرف احسان کی حد تک محدود نہیں رکھا۔ بلکہ وہ درجہ جوش طبعی بھی بیان کر دیا جس کا نام ایتاء ذی القربٰی ہے کیونکہ احسان کرنے والا اگرچہ احسان کے وقت ایک نیکی کرتا ہے مگر حرّا اور پاداش کا خواہاں ہوتا ہے اسی لیے وہ کبھی منکر احسان اور کافر نعمت پر ناراض بھی ہو جاتا ہے۔ اور جوش میں آکر اپنا احسان بھی یاد دلاتا ہے مگر طبعی جوش سے نیکی کرنا جسکو قرآن نے ذوی القربٰی کی نیکی کے ساتھ مشابہت دی ہے یہ در حقیقت آخری درجہ نیکی کا ہے جس کے بعد اور کوئی مرتبہ نیکی کا نہیں کیونکہ ماں کی نیکی بچہ کے ساتھ اور اسکا رحم ایک طبعی جوش ہے اور ناکارہ شیر خوار سے کوئی شکر گذاری مطلوب نہیں +

یہ تین درجے بنی نوع کی حق گذاری کے ہیں جو قرآن شریف نے بیان فرمائے ہیں اب جب ہم توریت اور انجیل کو دیکھتے ہیں تو ایما نا کہنا پڑتا ہے کہ یہ دونوں کتابیں اس اعلیٰ درجہ کی حق گذاری سے خالی ہیں بھلا ہم ان دونوں کتابوں سے اس تیسرے درجہ کی کیا توقع رکھیں انمیں تو پہلا اور دوسرا درجہ بھی کامل طور پر بیان نہیں کیا گیا کیونکہ جسحالت میں توریت صرف یہودیوں کے لیے نازل ہوئی ہے اور حضرت مسیح بھی صرف بنی اسرائیل کی بھیڑوں کے لیے بھیجے گئے تو انکو دوسروں سے کیا غرض اور کیا تعلق تھا تا انکی نسبت عدل اور احسان کی ہدایتیں بیان کی جاتیں۔ لہذا وہ تمام احکام بنی اسرائیل تک ہی محدود رہے اور اگر محدود نہیں تھے تو کیوں یسوع نے باوجودیکہ ایک عورت کے نالہ و فریاد کی آواز سنی اور اُسکی عاجزانہ درخواست اُس تک پہونچی تو پھر بھی یسوع نے اُسپر رحم نہ کیا اور کہا کہ میں صرف بنی اسرائیل کے لیے بھیجا گیا ہوں۔ پس جبکہ یسوع نے خود دوسروں کے لیے جو بنی اسرائیل سے خارج تھے رحم اور ہمدردی میں کوئی عملی نمونہ دکھایا تو کیونکر امید کیجائے کہ یسوع کی تعلیم میں دوسری قوموں پر رحم کرنے کا حکم ہے یسوع نے تو صاف کہدیا کہ میں دوسری قوموں کے لیے بھیجا ہی نہیں گیا تو اب ہم کیا اُمید رکھ سکتے ہیں کہ یسوع کی تعلیم میں غیر قوموں پر رحم کرنیکے لیے کچھ ہدایتیں ہیں۔ نہیں بلکہ یسوع کی تعلیم کا رخ صرف یہودیوں کی طرف ہے اور یسوع خود اپنے تئیں اس بات کا مجاز نہیں سمجھتا کہ دوسری قوموں کی نسبت کچھ ہدایتیں بیان فرماوے۔ پھر وہ کیونکر عام طور پر رحم کی تعلیم دے سکتا تھا اور اگر انجیل میں یسوع کے اس کلمہ کے مخالف کہ میری تعلیم اور ہمدردی یہود تک محدود ہے کوئی اور کلمہ لکھا بھی گیا ہو تو بلاشبہ وہ

حکم احسان کرو اور اس سے بڑھکر بھی

الحاقی ہوگا کیونکہ تناقض جائز نہیں + اسی طرح توریت کے پیش نظر بھی صرف یہودی تھے اور توریت کی تعلیم کا بھی تمام پرواز یہودیوں کے سرون تک ہے۔ لیکن وہ قانون جو عام عدل اور احسان اور ہمدردی کیلیے دنیا میں آیا وہ صرف قرآن ہے اللہ تعالے فرماتا ہے قل یا ایہا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا اور پھر فرمایا وما ارسلنک الا رحمۃ للعلمین یعنی ہمنے تمام عالموں پر رحمت کرنے کے لیے تجھے بھیجا ہے +

چوتھا سوال مسیح نے اپنی نسبت یہ کلمات کہے "میرے پاس آؤ تم جو تھکے اور ماندے ہو کہ میں تمھیں آرام دوں گا" اور یہ کہ "میں روشنی ہوں اور میں راہ ہوں میں زندگی اور راستی ہوں" کیا بانیِ اسلام نے یہ کلمات یا ایسے کلمات کسی جگہ اپنی طرف منسوب کیے ہیں + **الجواب** قرآن شریف میں صاف فرمایا گیا ہے قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ الخ یعنی انکو کہدے کہ اگر خدا سے محبت رکھتے ہو تو آؤ میری پیروی کرو تا خدا بھی تم سے محبت کرے اور تمھارے گناہ بخشے۔ یہ وعدہ کہ میری پیروی سے انسان خدا کا پیارا بنجاتا ہے مسیح کے گذشتہ اقوال پر غالب ہے۔ کیونکہ اس سے بڑھ کر کوئی مقام نہیں کہ انسان خدا کا پیارا ہو جاوے پس جسکی راہ پر چلنا انسان کو **محبوب الٰہی** بنا دیتا ہے اس سے زیادہ کسکا حق ہے کہ اپنے تئیں روشنی کے نام سے موسوم کرے۔ اسی لیے اللہ جل شانہ نے قرآن شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نور رکھا ہے جیسا کہ فرماتا ہے قد جاءکم نور من اللہ یعنی تمھارے پاس خدا کا نور آیا ہے۔ اور یہ جملہ کہ تم جو تھکے اور ماندے ہو میرے پاس آجاؤ میں تمھیں آرام دوں گا یہ کیسا لغو معلوم ہوتا ہے اگر آرام سے مراد دنیا کا آرام اور بیقیدی ہے تب تو یہ فقرہ بلا شبہ صحیح ہے کیونکہ جب مسلمان ہوتا ہے تو اسکو پانچوقت نماز پڑھنی پڑتی ہے۔ علی الصباح سورج سے پہلے صبح کی نماز کیلیے اُٹھنا پڑتا ہے۔ اور پانی سے گو موسم سرما میں کیسا ہی پانی ٹھنڈا ہو وضو کرنا پڑتا ہے اور پھر پانچوقت مسجد کیطرف نماز جماعت کیلیے دوڑنا پڑتا ہے اور قریباً ایک پہر رات باقی رہتے خواب شیریں سے اُٹھکر تہجد کی نماز پڑھنی پڑتی ہے غیر عورتوں کے دیکھنے سے اپنے تئیں بچانا پڑتا ہے۔ شراب اور ہر ایک نشہ سے اپنے تئیں دور رکھنا پڑتا ہے خدا کی مخلوق سے خوف کرکے حقوق عباد کا لحاظ رکھنا پڑتا ہے اور ہر ایک سال میں برابر تیس یا انتیس روزے خدا تعالے کے حکم سے رکھنے پڑتے ہیں اور تمام مالی و بدنی و جانی عبادت کو بجالانا پڑتا ہے پھر جب ایک بدبخت جو پہلے مسلمان تھا عیسائی ہوگیا تو ساتھ ہی یہ تمام بوجھ اپنے سر سے اتار لیتا ہے اور سونا اور کھانا اور شراب پینا اور اپنے بدنکو آرام سے رکھنا اسکا کام ہوتا ہی اور یکدفعہ تمام اعمال شاقہ سے سبکدوش ہوجاتا ہی اور حیوانوں کی طرح بجز اکل و شرب اور ناپاک عیاشی کے اور کوئی کام اُسکا نہیں ہوتا پس اگر یسوع کے گذشتہ بالا فقرہ کے یہی معنی ہیں کہ میں تجھے آرام دونگا تو بیشک ہم قبول کرتے ہیں کہ درحقیقت عیسائیوں کو اس چندروزہ سفلی زندگی میں بوجہ اپنی بیقیدی کے بہت ہی آرام ہی یہانتک کہ انکی دنیا میں نظیر نہیں وہ کبھی کسیطرح ہر ایک چیز پر دکھ سکتے ہیں اور وہ خنزیر کیطرح

م یعنی ایسے لوگوں میں ترغیب کی طرف سوال کرکے گئی ہوں

ہر ایک چیز کھا سکتے ہیں۔ ہندو گاؤ سے پرہیز کرتے ہیں اور مسلمان سور سے مگر یہ بلا نوش دونوں ہضم کر جاتے ہیں۔ سچ ہے عیسائی باش ہرچہ خواہی کن سور کو حرام ٹھیراتے میں توریت میں کیا کیا تاکیدیں تھیں یہانتک کہ اُسکا چھونا بھی حرام تھا اور صاف لکھا تھا کہ اسکی حرمت ابدی ہے مگر ان لوگوں نے اُس سور کو بھی نہیں چھوڑا جو تمام نبیونکی نظر میں نفرتی تھا۔ یسوع کا شرابی کبابی ہونا تو خیر ہمنے مان لیا مگر کیا اُس نے کبھی سور بھی کھایا تھا؟ وہ تو ایک مثال میں بیان کرتا ہے کہ تم اپنے موتی سوروں کے آگے مت پھینکو۔ پس اگر موتیوں سے مراد پاک کلمے ہیں تو سوروں سے مراد پلید آدمی ہیں۔ اس مثال میں یسوع صاف گواہی دیتا ہے کہ سور پلید ہے کیونکہ مشبّہ اور مشبّہ بہ میں مناسبت شرط ہے۔

غرض عیسائیوں کا آرام جو ملا ہے وہ بیقیدی اور اباحت کا آرام ہے لیکن روحانی آرام جو خدا کی وصال سے ملتا ہے اس کے بارے میں تو میں خدا کی دوہائی دیکر کہتا ہوں کہ یہ قوم اُس سے بالکل بے نصیب ہے۔ انکی آنکھوں پر پردے اور ان کے دل مردہ اور تاریکی میں پڑے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ سچے خدا سے بالکل غافل ہیں اور ایک عاجز انسان کو جو ہستی ازلی کے آگے کچھ بھی نہیں ناحق خدا بنا رکھا ہے۔ ان میں برکات نہیں ان میں دل کی روشنی نہیں انکو سچے خدا کی محبت نہیں بلکہ اس سچے خدا کی معرفت بھی نہیں۔ ان میں کوئی بھی نہیں جسمیں ایمان کی نشانیاں پائی جاتی ہوں۔ اگر ایمان کوئی واقعی برکت ہے تو بیشک اُسکی نشانیاں ہونی چاہییں مگر کہاں ہے کوئی ایسا عیسائی جسمیں یسوع کی بیان کردہ نشانیاں پائی جاتی ہوں؟ پس یا تو انجیل جھوٹی ہے اور یا عیسائی جھوٹے ہیں۔

دیکھو قرآن کریم نے جو نشانیاں ایمانداروں کی بیان فرمائیں وہ ہر زمانہ میں پائی گئی ہیں۔ قرآن شریف فرماتا ہے کہ ایماندار کو الہام ملتا ہے۔ ایماندار خدا کی آواز سُنتا ہے۔ ایماندار کی دعائیں سب سے زیادہ قبول ہوتی ہیں۔ ایماندار پر غیب کی خبریں ظاہر کی جاتی ہیں۔ ایماندار کے شامل حال آسمانی تائیدیں ہوتی ہیں۔ سو جیسا کہ پہلے زمانوں میں یہ نشانیاں پائی جاتی تھیں اب بھی بدستور پائی جاتی ہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن خدا کا پاک کلام ہے اور قرآن کے وعدے خدا کے وعدے ہیں۔ اُٹھو عیسائیو! اگر کچھ طاقت ہے تو مجھسے مقابلہ کرو اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھے بیشک ذبح کر دو ورنہ آپ لوگ خدا کے الزام کے نیچے ہیں اور جہنم کی آگ پر آپ لوگونکا قدم ہے۔ والسلام علیٰ من اتبع الھدےٰ۔

الراقم میرزا غلام احمد قادیانی از قادیان ضلع گورداسپور ملک پنجاب